ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

17

11 تا 17 جمادی الاولیٰ 1431ھ / 27 اپریل تا 3 مئی 2010ء

’شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا ”تیرے“ بعد‘

اشاعتِ خصوصی

برسانحۂ ارتحال بانیٔ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ تنظیم اسلامی کا سفرِ آخرت۔ شدید گرمی کے باوجود ہزاروں افراد نمازِ جنازہ میں شریک ہیں۔

سورۃ الانفال

(آیات:50تا55)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ
اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۵۱﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ؕ اِنَّ
اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ
عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَکُلٌّ کَانُوْا
ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾

’’اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (اب) عذاب آتش (کا مزہ) چکھو۔ یہ ان (اعمال) کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اور یہ (جان رکھو) کہ اللہ (بندوں پر) ظلم نہیں کرتا۔ جیسا حال فرعونیوں اور اُن سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا کہ) انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا میں اُن کو پکڑ لیا۔ بے شک اللہ زبردست (اور) سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں اللہ اُسے نہیں بدلا کرتا۔ اور اس لئے کہ اللہ سُنتا اور جانتا ہے۔ جیسا حال فرعونیوں اور اُن سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہُوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا۔ اور وہ سب ظالم تھے۔ جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے۔‘‘

کفر کا انجام بدبتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاش تم دیکھ سکتے جب فرشتے اُن کافروں کی جانیں قبض کرتے ہیں، وہ اُن کے چہروں پر بھی ضربیں لگاتے ہیں اور پیٹھوں پر بھی، اور ان سے یہ کہتے ہیں کہ اب جلنے کا عذاب چکھو۔

یہ وہ کچھ ہے جو تمہارے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں۔

قدیم سے یہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے انہیں کسی عذاب میں پکڑ لیا جیسے آل فرعون یا وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے یعنی قوم شعیبؑ، سدوم اور عامورہ کی بستیوں والے، قوم عاد اور قوم نوح وغیرہ۔ ان کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہو چکا۔ اِن لوگوں نے اللہ کی آیات کا کفر کیا تو اللہ نے انہیں اُن کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوی ہے، زور آور اور سزا دینے میں سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا گزشتہ اقوام کے متعلق یہ بھی دستور رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتیں دیں، ایمان سے نوازا، مگر جب انہوں نے اُن نعمتوں کو بدل دیا اور توحید کی شاہراہ کو چھوڑ کر شرک کی پگڈنڈیوں پر رواں دواں ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی نعمت سلب کر لی۔ انعام کی جگہ اُن پر عذاب آیا۔ یہاں یہی بات بیان کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ کوئی نعمت جو اُس نے کسی قوم کو دی ہو، وہ اس میں تغیر کر دے جب تک کہ وہ قوم خود اپنے اندر کی کیفیت کو بدل نہ دے۔ یہ مضمون سورۃ الرعد میں بھی آیا ہے۔ اردو شعر میں اس بات کی یوں ترجمانی کی گئی ہے ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

درحقیقت جب قوموں کے اپنے اندر کے حالات بدلتے ہیں تو پھر تقدیر بدلتی ہے، صرف خواہشات اور امانی سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور قوم افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ لہٰذا پہلے کچھ افراد بدلتے ہیں۔ اُن کے اندر قلب ماہیت ہوتی ہے۔ اُن کی سوچ، فکر اور نظریات بدلتے ہیں۔ مقاصد دلچسپیاں اور امنگیں تبدیل ہوتی ہیں، اور جب اس طرح کے بدلے ہوئے لوگ کثیر تعداد میں ہو جائیں اور وہ مل کر جدوجہد کریں، توانائیاں صرف کریں تو معاشرے کو بدل دیتے ہیں اور یوں ایک انقلاب آتا ہے۔ جب یہ قرآن کسی کے دل میں اترتا ہے تو اُس کے اندر ایک تبدیلی آجاتی ہے۔ پھر یہ اندرونی تبدیلی خارجی انقلاب کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

اللہ کا یہ بھی دستور رہا ہے کہ جن لوگوں نے اُس کی آیات کو جھٹلایا اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر ڈالا۔ ایسا آل فرعون کے ساتھ بھی ہوا اور اُن سے پہلے لوگوں کے ساتھ بھی اور فرعونیوں کو تو اللہ نے غرق کر دیا اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔

اللہ کے نزدیک بہترین چوپائے وہ لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ سورۃ الاعراف میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دل ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں، اُن کی آنکھیں ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں، اُن کے کان ہیں مگر اُن کے ساتھ وہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کی مانند ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے (آیت:179) گویا تمام جانداروں اور چوپایوں میں سب سے بُرے لوگ وہ حیوان نما انسان ہیں، جن کے اندر عقل وشعور نہیں، اُن کے دل ایمان سے خالی ہیں اور وہ کفر پر راضی اور دنیا کی لذتوں پر ریجھے ہوئے ہیں۔

تاخلافت کی بِنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 | 11 تا 17 جمادی الاُولیٰ 1431ھ
27 اپریل تا 3 مئی 2010ء | شمارہ 17

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 25 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ادا ریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایوب بیگ مرزا

اِک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا تھا ''زندگی بھڑک اُٹھنے اور بجھ جانے کا نام نہیں سلگنے کا نام ہے۔'' تنظیم اسلامی کے بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے حقیقت میں زندگی کی شمع کو دونوں کناروں سے جلایا، زندگی سلگ سلگ کر گزاری۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرد بجھ گیا، زیرِ زمین چلا گیا اور سپردِ خاک ہوا، ظاہراً منزل تو نہ پا سکا لیکن نشانِ راہ پر چراغاں کر گیا کہ دین کے خادم ٹھوکروں سے بچ کر منزل کی طرف بڑھنے میں آسانی محسوس کریں۔ عالم اسلام کا ایک حصہ خصوصاً مسلمانانِ پاک و ہند اور امریکہ و یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کی کثیر تعداد اب یہ نہیں کہہ سکتی کہ منزل دھندلی ہے۔ اقامتِ دین کی فرضیت اگرچہ مولانا مودودی کی تحریروں سے مسلمانوں پر کسی قدر آشکار ہو چکی تھی، لیکن عوامی سطح پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اِس کا باقاعدہ ڈھنڈورا پیٹا اور شب و روز اِس کی نشر و اشاعت کے لیے ایک کر دیے۔ ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں واضح کیں۔ قرآنِ پاک اور سیرتِ مطہرہ سے ثابت کیا کہ اسلام محض ارکان اربعہ کی ادائیگی کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے اور انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی گوشوں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام محض مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل دین ہے جو اپنا نفاذ اور غلبہ چاہتا ہے۔

والدین کو یہ نام کس قدر عزیز تھا کہ اسرار احمد نامی دو بچوں کو لگاتار مَحد سے سیدھے لحد میں اُتارنے کے باوجود کسی قسم کی توہم پرستی کا شکار نہ ہوئے اور بیسویں صدی کے بتیسویں سال کے اپریل کی چھبیس کو جب اُن کی گود پھر ہری ہوئی تو نومولود کا نام بھی اسرار احمد رکھ دیا۔ 21 اپریل 1938ء کو جب مفکرِ اسلام علامہ اقبال اِس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تو ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق چھ سالہ اسرار احمد نے اِسے قومی صدمے کے طور پر محسوس کیا۔ ہائی سکول کی تعلیم اپنے آبائی ضلع حصار (بھارت) میں مکمل کی۔ میٹرک کا امتحان متحدہ ہندوستان کی پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ہائی سکول کی تعلیم کے دوران ہی اقبال کی ولولہ انگیز ملی شاعری سے ذہنی اور قلبی رشتہ استوار ہوا اور احیائے اسلام کے لیے عملی جدوجہد کی امنگ سینے میں پرورش پائی۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن (M.S.F) کے فعال کارکن اور جنرل سیکرٹری رہے۔ اِسی حیثیت سے قائداعظم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہائی سکول کی تعلیم کے دوران ہی جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھا اور مولانا مودودی سے ذہنی قربت بڑھی۔ علامہ اقبال کی ملی شاعری اور مولانا مودودی کی تحریروں سے دین کا انقلابی نظریہ اور اسلام کا Socio Poltical System جس کی بنیاد عدل پر ہے، نوجوان اسرار احمد کے قلب و ذہن میں راسخ ہو گیا۔ اُن کی سوچ کا یہ رُخ بننے لگا کہ فقہی اسلام پر بھی بآسانی اور احسن طریقے سے صرف اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے جبکہ ریاست میں اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی قائم ہو۔

اسرار احمد قیام پاکستان کے موقع پر براستہ سلیمانکی قافلے کے ساتھ بیس دن پیدل سفر کر کے اپنے خاندان سمیت پاکستان پہنچے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کیا۔ اور ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کرنے کے لیے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا۔ پاکستان آنے کے بعد جماعتِ اسلامی کے لٹریچر کو غور سے پڑھنے اور مولانا مودودی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اسلامی جمعیت طلبہ کی رکنیت حاصل کی اور مختلف ذمہ داریوں سے گزرتے ہوئے بالآخر اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ بن گئے۔ قرآن حکیم کے پڑھنے اور پڑھانے کا سلسلہ تو لڑکپن سے تھا۔ قرآن کے سمندر میں غوطے لگا کر موتی دریافت کرنے کا ذوق پاکستان آ کر بڑھتا چلا گیا۔ عربی زبان سیکھی، کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کا گولڈ میڈل حاصل کیا۔ اگرچہ وہ باقاعدہ کسی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل تو نہیں تھے البتہ بعض جید علماء کی صحبت سے فیض اُٹھاتے رہے۔ علامہ اقبال،

ڈاکٹر رفیع الدین، مولانا فراہی، مولانا اصلاحی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریریں اور خطابات کو حرز جان بنایا۔ جس کا نقد نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اللہ کے پاک کلام سے ایک خصوصی ذہنی اور دلی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ بقول محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے قرآن نے اُنھیں Possess کر لیا۔ طالب علمی کے دوران درس قرآن کی ذمہ داری مستقلاً اُن کی تھی۔ اپنے خطابات میں بھی قرآنی آیات کو ہیرے اور موتی کی طرح جڑ دیتے تھے۔ قرآن کے مدرس کی حیثیت سے اُن کی شہرت جمعیت سے وابستگی کے دوران چہار سو پھیل چکی تھی۔ میڈیکل کی تعلیم مکمل ہوئی تو ایک دن بھی جماعتی زندگی سے علیحدہ رہنا پسند نہ کیا اور جماعت اسلامی میں شرکت کر لی۔ رکنیت کا مرحلہ طے کیا اور جلد ہی جماعت اسلامی منٹگمری کی امارت اُنہیں سونپ دی گئی۔ اپنی آنکھیں اور ذہن کو کھلا رکھنا، غور و فکر کرتے رہنا، حالات کا تنقیدی جائزہ لینا اُن کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ دینی امور کے حوالہ سے ماضی کی طرف نگاہ کرنے اور اسلاف سے رشتہ و تعلق قائم کرنے کے قائل تھے اور دنیوی امور میں جدید سے جدید تر علوم کے حصول پر زور دیتے تھے۔ اُنہوں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ جماعتِ اسلامی اپنی تاسیس کے وقت جو نظریہ اور اُصول اپنائے ہوئے تھی، وقت گزرنے کے ساتھ اُن سے انحراف ہونا شروع ہو چکا ہے۔ بالآخر یہ آتش فشاں 1957ء میں ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں پھٹ گیا۔ پچیس سالہ نوجوان نے جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا مودودی کے سامنے کھڑے ہو کر ساڑھے دو گھنٹے اپنے مؤقف اور جماعتِ اسلامی کے نظریاتی انحراف پر دلائل دیئے۔ بہر حال بات نہ بن سکی اور ڈاکٹر اسرار احمد جماعتِ اسلامی سے الگ ہو گئے۔

1971ء تک غمِ روزگار سے بھی نبٹتے رہے اور شہر بہ شہر اور قریہ قریہ درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری رہا یعنی زندگی چکی کے دو پاٹوں میں گزرتی اور پستی رہی۔ 1971ء میں خانہ کعبہ میں ایک ایسا فیصلہ کیا جو وہی شخص کر سکتا ہے جو کسی شے کے عشق میں عقل و خرد کے تمام دلائل رد کرے، جو کسی حساب کتاب میں نہ پڑے اور بے خطر حصولِ منزل کے لیے میدان میں کود جائے، یعنی یہ کہ آئندہ صرف اللہ کے دین کی اقامت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دوں گا۔ لہٰذا واپسی پر کلینک کو تالا لگا دیا۔

1972ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی، لیکن ساتھ ہی واضح کر دیا کہ ہمارا مقصد ایک ایسی جماعت کا قیام ہے جو اُصولی اسلامی انقلابی جماعت ہو گی، جو پاکستان میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لیے جدوجہد کرے گی۔ یوں تو ہر کلمہ گو ڈاکٹر اسرار احمد کا مخاطب تھا لیکن وہ پڑھے لکھے مسلمان نوجوانوں کو دینی علوم سے آراستہ کرنے کے زیادہ آرزو مند تھے، تاکہ جب اسلامی انقلاب برپا ہو اور ایک اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آئے تو ایسی قیادت میسر آسکے جو دین کی بنیادی تعلیم، اُس کے اوامر و نواہی، اُس کے محکمات اور مسلّمات سے بھی بخوبی آگاہ ہو اور عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بھی اچھی طرح آشنا ہو۔ آج قرآن اکیڈمی جہاں قائم ہے، اُس کا بھی اصل مقصد یہ تھا کہ پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس کے طلبہ کا قرب رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شدید خواہش تھی کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان دین کا علم حاصل کر کے تحقیقی کام کریں، تاکہ اسلام پر ہونے والے طاغوتی حملوں کا مدلل اور علمی جواب دیا جائے۔ اس لیے کہ آج کا انسان محض وعظ و نصیحت سے قائل نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کی سوچ یہ تھی کہ قرآن پاک میں انسانی زندگی کے سماجی اور معاشرتی پہلوؤں کو اوّلیت بھی دی گئی ہے اور اُن پر بڑی تفصیل سے روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ لہٰذا اصلاح کا آغاز یہاں سے ہونا چاہیے۔ وہ اس نقطۂ نظر کے شدید مخالف تھے کہ سیاسی اور معاشی نظام سدھر گیا تو سماجی اور معاشرتی گوشہ خود بخود درست ہو جائے گا۔ ان کا پختہ ایمان تھا کہ گھر وہ پہلا یونٹ ہے جو اصلاح کا پہلا ٹارگٹ ہونا چاہیے۔ اس کی اصلاح کے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی۔ رزقِ حلال پر قناعت کرنے والا گھرانہ خود طاغوتی اور سرکش شیطانی قوتوں کے خلاف ایک بہت بڑا مورچہ ہے۔ شادی بیاہ کی فرسودہ رسوم کے خلاف اُن کی چلائی ہوئی تحریک ہزاروں گھرانوں میں جہالت کے اندھیرے دور کرنے اور سنتِ رسول ﷺ کے چراغ سے اُنہیں منور کرنے کا باعث بنی۔ آغاز میں اس تحریک کو بہت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آج لاکھوں نہیں تو ہزاروں خاندان یقیناً ایسے ہیں، جو وسائل رکھنے کے باوجود بچی کا نکاح مسجد میں کرتے ہیں، مسجد سے ہی دلہن کی رخصت کرتے ہیں اور کسی قسم کے کھانے کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ تمام تقاریب صرف ایک ولیمہ کی مسنون تقریب میں سمیٹ دیتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک کو محض پڑھنا یا سننا بلکہ صرف اُس کی زیارت کرنا بھی باعثِ برکت اور ثواب ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اگر اُسے سمجھ کر اور معنی جان کر پڑھا یا سنا جائے تو سونے پر سہاگہ ہے اور اُسی صورت میں اُس سے رہنمائی حاصل کرنا ممکن ہو گا۔ درسِ قرآن کا بھی اصل مقصد قرآن کا پیغام لوگوں کے اذہان و قلوب میں اُتارنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سوچا کہ ماہِ رمضان میں لوگ قرآن کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں۔ ماحول اور فضا میں روحانیت غالب ہوتی ہے۔ چنانچہ نمازِ تراویح کے دوران وقفوں میں قرآنِ پاک کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا جائے۔ یہ ایک کٹھن منزل تھی لیکن اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے یہ حسن و خوبی یہ ذمہ داری نبھائی اور اپنے شاگردوں کو بھی حکم دیا۔ لہٰذا اب ہر سال رمضان میں پاکستان میں درجنوں مساجد میں روحانی بارش مسلمانوں کے دلوں کو تر کرتی ہے، جو بندگیٔ رب اور عشقِ رسول ﷺ کے بیج بو دینے کے لیے انتہائی موافق اور سازگار ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب قرآن کا پیغام عام کرنے اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے حوالہ سے جس لگن اور جس انداز سے کام کرتے تھے، اس پر ہم سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کرنے والے بعض شہداء، صدیقین اور صالحین کو مجنون اور دیوانہ کا جو طعنہ یا خطاب دیا جاتا ہے، وہ کوئی ایسا غلط نہیں ہے۔ اس لیے کہ عقل و خرد یا حکمت کے نام پر مصلحت اِس طرح کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی کہ دنیا ہی نہیں اپنی جان پر بھی اپنے مشن کو ترجیح دی جائے۔ ہم آخر میں تمام اُن حضرات سے جو ڈاکٹر صاحب سے احترام و محبت کا رشتہ رکھتے ہیں، جنہیں ڈاکٹر صاحب کا دنیا سے اُٹھ جانے کا شدید رنج و دکھ پہنچا ہے، گزارش کریں گے کہ ہر انسان فانی ہے اور دنیا دار الامتحان ہے۔ آپ ڈاکٹر صاحب کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کریں کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ صرف انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ ہر انسان خطا کار اور گناہ گار ہے، لہٰذا مغفرت کی دعا کا محتاج ہے۔

اُن سے محبت کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ اُن کا ہر عقیدت مند اُن کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے خلوص اور دلجمعی کے ساتھ جدوجہد کرے۔ اگر پاکستان میں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہو جائے تو جہاں اُن کی روح کو قرار نصیب ہو گا وہاں امتِ مسلمہ کے ہر فرد کے لیے دین پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ یہی ڈاکٹر اسرار احمد کی زندگی کا اصل ہدف اور مشن تھا جس کی تکمیل کے لیے جدوجہد اب ہماری ذمہ داری ہو گی۔

☆☆☆

’کل شکر اور کل ثنا اللہ کے لیے ہے‘

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کا آخری خطبۂ جمعہ

جو آپؒ نے مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں اپنی وفات سے چند دن قبل 9 اپریل 2010ء کو ارشاد فرمایا

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے اپنی وفات سے قبل آخری خطاب جمعہ قرآن اکیڈمی لاہور کی مسجد جامع القرآن میں ارشاد فرمایا۔ اس خطاب میں انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ ’ندائے خلافت‘ کی اشاعت خصوصی میں موقع کی مناسبت سے ڈاکٹر صاحب کے آخری خطبۂ جمعہ کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

[سورۃ الفاتحہ کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! پچھلے جمعہ میں ہم نے آیت بسم اللہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی تھی۔ آج ہم سورۃ الفاتحہ پر گفتگو کا آغاز کر رہے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی پانچویں وحی اور پہلی مکمل صورت ہے۔ قبل ازیں آپؐ پر متفرق آیات نازل ہوتی رہیں۔ سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں، پھر سورۂ نٓ (یا سورۃ القلم) کی سات آیتیں، پھر سورۃ المزمل کی نو آیتیں، پھر سورۃ المدثر کی سات آیتیں اور پھر یہ پوری سورت نازل ہوئی۔ یہ سورۃ ہماری نماز کا جزو لازم ہے، بلکہ نماز نام ہی سورۃ الفاتحہ کا ہے۔ چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

یعنی ”جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا، اُس کی کوئی نماز نہیں۔“

ایک حدیث قدسی میں سورۃ الفاتحہ کو ”الصلاۃ“ قرار دیا گیا ہے۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي —— وَقَالَ مَرَّةً: فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي —— فَإِذَا قَالَ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ قَالَ هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝﴾ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ))

(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب و جوب قراءۃ الفاتحہ فی کل رکعت......الخ)

”میں نے نماز (سورۃ الفاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا ہے (اس کا نصف حصہ میرے لیے اور نصف حصہ میرے بندے کے لیے ہے) اور میرے بندے کو وہ عطا کیا گیا جو اُس نے طلب کیا۔ پس جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی (میرا شکر ادا کیا)۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی اور ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ”میرے بندے نے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا“-- (گویا یہ پہلا حصہ کُل کا کُل اللہ کے لیے ہے۔) پھر جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے مابین مشترک ہے اور میں نے اپنے بندے کو بخشا جو اُس نے مانگا (گویا یہ حصہ ایک قول و قرار اور عہد و میثاق ہے۔ اسے میں نے کہا تھا کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان hand shake ہے۔) پھر جب بندہ کہتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ حصہ (کُل کا کُل) میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو کچھ مجھ سے طلب کیا، وہ میں نے اُسے بخشا۔“

تعداد کے اعتبار سے اس سورت کی سات آیات متفق علیہ ہیں۔ البتہ اہل علم میں ایک اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک، جن میں امام شافعیؒ بھی شامل ہیں، آیت بسم اللہ بھی سورۃ الفاتحہ کا جزو ہے۔ اُن کے نزدیک ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت ہے۔ اور ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ ایک آیت نہیں، دو آیتیں ہیں۔

اب آیئے اِس سورت کی پہلی آیت کا مطالعہ کریں! فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾

”کل شکر اور کل ثنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔“

یہاں فرمایا گیا کہ ”حمد“ کا سزاوار اللہ ہے جو

> **نیند کی حالت میں انسان کا شعور سلب کر لیا جاتا ہے۔ جان تو باقی رہتی ہے، مگر روح نکل جاتی ہے۔ اسی لیے نیند کو موت کی بہن کہا جاتا ہے**

رب العالمین ہے۔

سب سے پہلی چیز جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ''حمد'' کسے کہتے ہیں۔ حمد ح م د مادہ سے مصدر ہے۔ اس کا عام طور پر ترجمہ ''تعریف'' کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ لفظ اس کا پورا مفہوم ادا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ تعریف کے معنی اپنی پہچان کروانے کے ہوتے ہی، جیسے ہم کسی سے کہتے ہیں کہ آپ کی تعریف کیا ہے؟ آپ اپنا تعارف کروائیں وغیرہ۔ ''حمد'' کے معنی کے طور پر جو دوسرا لفظ آتا ہے اور جو زیادہ صحیح ہے، وہ ''ثنا'' ہے۔ ثنا کے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ فرض کریں، ہم نے کسی میں کوئی خوبی دیکھی، تو ہم نے اُس کے سامنے وہ بیان کردی۔ گویا اُس خوبی کو اُسے لوٹا دیا تو یہ ثنا ہے۔ حمد کے لیے جو تیسرا لفظ آتا ہے اور جو اس کے بنیادی مفہوم کو ادا کرتا ہے، وہ شکر ہے۔ لفظ شکر سے ''حمد'' کا مفہوم پوری طرح ادا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے شکر کے مختلف مواقع پر جو دُعائیں سکھائی ہیں، اُن میں ''حمد'' ہی کا لفظ آیا ہے۔ جیسے کھانے کے بعد کی دُعا ہے، کہ جب انسان کھانا کھا کر اپنی جسمانی کمزوری کو دور کرتا ہے تو اس موقع پر جذبۂ شکر کے اظہار کے لیے کہتا ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ))

''کل شکر اُس اللہ کا ہے، جس نے مجھے کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔''

اسی طرح اجابت سے فراغت کے بعد جب آدمی کی طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے، یہ دُعا ہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ))

''کل شکر اُس اللہ کا ہے جس نے مجھ سے اذیت بخش چیز کو دور کیا اور مجھے عافیت بخشی۔''

آدمی رات کو سوتا ہے، تو دن بھر کی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ نیند کی حالت میں انسان کا شعور سلب کر لیا جاتا ہے۔ جان تو باقی رہتی ہے، مگر روح نکل جاتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیند موت کی بہن ہے۔ اس حالت کے بعد اللہ تعالیٰ روح کو دوبارہ لوٹا دیتا ہے، گویا انسان کو دوبارہ زندگی عطا کی جاتی ہے، لہٰذا نیند سے اُٹھنے کے بعد کا وقت اللہ کے خصوصی شکر کا موقع ہوتا ہے۔ اس موقع کے لیے جو مسنون دُعا ہے، اُس میں بھی اللہ کی 'حمد' و ثنا ہے۔

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ))

''کل شکر اُس اللہ کا ہے، جس نے مجھے دوبارہ زندگی دی، بعد اس کے کہ مجھ پر موت طاری کر دی تھی اور مجھے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

قرآن حکیم میں اہل ایمان کی ایک صفت یہ آتی ہے کہ وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مسنون دعائیں مختلف مواقع کے لیے اللہ کے ذکر کی بہت عمدہ شکل ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ انہیں یاد کریں اور اپنے معمولات میں شامل کر لیں۔

مسنون دعاؤں کے علاوہ خود قرآن مجید میں بھی جہاں مقام شکر آتا ہے، وہاں ''حمد'' کا لفظ آتا ہے۔ مثال کے طور پر جب اللہ تعالیٰ اہل جنت کو (اللہ ہمیں بھی اُن میں شامل کرے) جنت میں پہنچا دے گا تو بطور شکرانہ اُن کی زبانوں پر یہ حمدیہ ترانہ ہوگا

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰىنَا لِھٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (الاعراف:43)

''اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا راستہ دکھایا۔ اور اگر اللہ ہمیں یہ راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے۔''

اہل جنت اللہ تعالیٰ کے بے پایاں کرم پر اُس کا شکر ادا کر رہے ہوں گے کہ خدایا تو ہی کل حمد اور شکر کا سزاوار ہے کہ تو نے ہمیں یہاں پہنچا دیا، ورنہ اپنی عقل و دانش اور کوشش سے ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ حمدیہ ترانہ اہل جنت کا ہے لیکن اگر آپ کسی مجلس میں بیٹھے ہوں اور آپ کو محسوس ہو کہ میرے دل کو کوئی روشنی ملی ہے، ہدایت کا کوئی نقطہ میرے ہاتھ آیا ہے، تو اُس موقع پر بھی آپ شکرانے کے طور پر یہ دُعا پڑھئے۔ (یہاں یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ شکر اور تعریف کے الفاظ میں باریک سا فرق ہے۔ شکر اُس ذات کا کیا جاتا ہے جس سے آدمی کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، جبکہ تعریف محض حسن و خوبی کی بنا پر کی جاتی ہے۔ مثلاً آپ خوبصورت پھول دیکھتے ہیں تو بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں، واہ کتنا خوبصورت پھول ہے)

اسی طرح قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر اہل جنت کا حمدیہ ترانہ یوں نقل کیا گیا ہے:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾﴾ (سورۃ الزمر)

''وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا۔ ہم بہشت میں جس مقام میں چاہیں رہیں تو (اچھے) عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیسا خوب ہے۔''

کل شکر اور ثنا اُس ذات کی ہے جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اللہ نے ہم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میرے راستے پر چلو گے تو تمہیں جنت عطا کروں گا۔ آج اُس نے حسب وعدہ ہمیں جنت عطا کر دی۔ اور ہمیں جنت کی زمین کا وارث بنا دیا۔ یہاں "اور ثنا الارض" میں جس زمین کا وارث بنائے جانے کا ذکر ہے، اس سے عام طور پر جنت کی زمین مراد لی گئی ہے۔ تاہم بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ جنت کی ابتدائی منزل اِسی زمین پر ہوگی۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ اصل حساب کتاب یہیں ہوگا۔ میدان حشر اِسی زمین میں ہوگا۔ قصۂ زمین برسرِ زمین چکایا جائے گا۔ گناہ و سرکشی کی سزا بھی یہیں ہوگی اور نیکی و بھلائی کی جزا کا بھی یہیں سے آغاز ہوگا۔ ہاں، اس کے بعد پھر جزا کے مراحل ہیں۔ پھر آسمانی جنتوں کی طرف سعود ہوگا۔ آخری درجے کی جنت وہ ہے کہ جس کی نعمتوں کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے اُن کے بارے میں سنا، اور نہ کسی دل میں اُن کا خیال تک آیا۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ وہاں انگور، انار اور کھجوریں ہوں گی، دودھ اور شہد ہوں گے، لیکن ان کا ذائقہ کیسا ہوگا، اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اِسی طرح میرا گمان ہے کہ جہنم بھی اِسی زمین کے پیٹ میں موجود ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ زمین کے اندر انتہا درجے کی گرمی ہے۔ جب کبھی کہیں آتش فشاں پھٹتا ہے، تو اس میں سے لاوا نکلتا ہے جو انتہائی گرم ہوتا ہے۔ یہ لاوا دراصل پگھلی ہوئی چٹانیں ہیں۔ قرآن میں آیا ہے کہ روزِ قیامت زمین کو کھینچا جائے گا۔

> ''تو جب زمین کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ باندھ کر آ موجود ہوں گے تو انسان اُس دن متنبہ ہوگا۔ مگر تنبیہ (سے) اُسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)''

﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾ ﴾ (سورۃ الانشقاق)

''جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کا فرمان بجالائے گا اور اسے واجب بھی یہی ہے۔ اور جب زمین کھینچی جائے گی، اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور (بالکل) خالی ہو جائے گی۔ اور اپنے پروردگار کے ارشاد کی تعمیل کرے گی اور اس کو لازم بھی یہی ہے (تو قیامت قائم ہو جائے گی)۔''

جب زمین کو کھینچا جائے گا تو اُس کے اندر کی چیز باہر آجائے گی، یہی جہنم ہوگی (واللہ اعلم بالصواب)

حشر ونشر کے زمین پر ہونے کے خیال کو سورۃ الفجر کی درج ذیل آیات سے بھی تقویت ملتی ہے۔

﴿ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ ﴾

''تو جب زمین کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ باندھ کر آموجود ہوں گے تو انسان اُس دن متنبہ ہوگا۔ مگر تنبیہ (سے) اُسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)۔''

یہ نزول باری تعالیٰ ہوگا، جب اللہ عرش سے اتر کر اس زمین تک آئے گا۔ اس کی کیا کیفیت ہوگی، اس کو ہم نہیں جانتے۔ اِس کی حقیقت اُسی وقت کھلے گی۔

''الحمد'' میں اصل لفظ تو ''حمد'' ہے۔ اس کے شروع میں جو ال آیا ہے، اس میں (تو ہمزۃ الوصل ہے، اور لام حصر کے لیے ہے۔ مراد یہ ہے کہ کل تعریف، کل ثنا، کل شکر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس انداز سے گویا شرک کی جڑ کٹ گئی ہے۔ دنیا میں لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ انہیں جن چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے، انہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ مثلاً وہ دیکھتے ہیں کہ سورج کی تمازت سے فصلیں پکتی ہیں، ہوائیں چلتی ہیں جو بارش لے کر آتی ہے، لہٰذا وہ سورج کو دیوتا قرار دے کر اُسے پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ سورج میں کوئی ذاتی خوبی نہیں ہے۔ اس میں جو خوبی یا وصف ہے وہ اللہ کا پیدا کردہ ہے، تو پھر انسان شرک سے بچ جائے گا۔ شکر کا جذبہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے پیدا ہوگا۔

جذبہ شکر فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ بات موجود ہے کہ وہ نیکی پر شکر ادا کرے۔ اگر اُس کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو وہ بھی اُس کے ساتھ بھلائی کرے۔ انسان کے ساتھ سب سے بڑھ کر بھلائی تو والدین کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک سلیم الفطرت انسان اپنے والدین کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُن کا پورا پورا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا انسان اُن کے لیے دُعا کرتا ہے ''اے پروردگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما:'' (بنی اسرائیل:24) —— یاد رہے کہ جب آدمی بھلائی کا کچھ بھی بدلہ نہیں چکا سکے تو جذبہ شکر عبادت کا روپ دھار لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہم پر بے پایاں احسانات ہیں۔ اُس کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اُس کے آگے جھک جائیں۔

حمد باری تعالیٰ کی کیا اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ جو اصل نماز ہے، اس کی پہلی آیت ہی (اگر ''بسم اللہ'' کو سورۃ کا حصہ نہ مانا جائے) ''الحمد'' سے شروع ہوتی ہے۔ اس طرح قرآن کا پہلا لفظ بھی ''الحمد'' ہوگا۔ حمد کا لفظ اللہ کو بہت پیارا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کے بہت سے اسماء گرامی اِسی مادے ح م د سے آئے ہیں۔ ''محمدؐ'' اسی مادہ سے ہے۔ احمد اسی مادہ سے ہے۔ اس کے علاوہ حامد، محمود وغیرہ اسی مادہ سے ہیں۔ امت مسلمہ کا نام بھی ''حمادون'' آیا ہے، یعنی اللہ کی بہت حمد کرنے والے لوگ۔ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی ایک بہت پیاری حدیث ہے، جس میں میدان حشر کا نقشہ ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اُس دن میں اللہ کی ایسی حمد کروں گا جو آج نہیں کر سکتا۔

''الحمد'' کے بعد اگلا لفظ ''لِلّٰہ'' (اللہ کے لیے) ہے۔ لفظ ''اللہ'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا اسم ذات ہے۔ اگرچہ میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بھی ایک صفاتی نام ہے۔ ''الٰہ'' پر ''ال'' داخل ہو کر ''اللہ'' بن گیا۔ لیکن بہرحال ''اللہ'' کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے اور عربوں میں سب سے زیادہ معروف بھی یہی نام تھا۔ جب قرآن نے رحمٰن کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ (مَا الرَّحْمٰنُ) تب یہ کہا گیا: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ (بنی اسرائیل:110) ''(اے نبیؐ! ان سے) کہہ دو کہ اُسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارلو، جو کہہ کر بھی پکارو گے تو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔'' یہ تمام صفاتِ کمال اُسی کی ذات میں موجود ہیں۔ (Call the rose by any name it will smell as sweet)۔

اسم ''اللہ'' کے تین معنی ہیں۔ تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ عوام کے نزدیک اللہ سے مراد حاجت روا ہے، جس کی طرف انسان تکلیف اور مصیبت میں، مشکلات میں، رزق کے لیے اور اپنی دیگر حاجات کے لیے رجوع کرتا ہے۔ ''اللہ'' کا ایک اور مفہوم یہ ہے کہ وہ ہستی جو انسان کو سب سے زیادہ محبوب ہو ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ یہ صوفیاء کرام کا تصور ہے۔ اور ایک ہے فلاسفہ کا تصور کہ ''اللہ'' وہ ہستی ہے جس کی کنہ سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا، اس کے بارے میں غور وفکر سے سوائے تحیّر کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو اس مادہ ''ا ل ہ'' یا ''و ل ہ'' کے اندر تین معانی ہیں —— (1) وہ ہستی کہ جس کی طرف اپنی تکلیف ومصیبت کے رفع کرنے کے لیے اور اپنی ضروریات پوری کرانے کے لیے رجوع کیا جائے۔ (2) وہ ہستی جس سے انتہائی محبت ہو۔ (3) جس کی ہستی کا ادراک ممکن نہیں، جس کی کنہ ہمارے فہم اور ہمارے تصور سے ماوراء وراء الوراء، ثم وراء الوراء ہے۔

آگے ہے: ''رب العالمین'' یعنی تمام جہانوں کا مالک و پروردگار۔ ''رب'' کے معانی مالک اور کسی چیز کو پروان چڑھانے والا کے ہیں۔ ملکیت اور پروان چڑھانے میں خاص تعلق ہے۔ جو بھی مالک ہوگا، وہ اپنی چیز کی نشوونما بھی کرے گا۔ ایک آدمی کھیتی کا مالک ہے، تو وہ اسے پروان بھی چڑھائے گا۔ سرمائے کے مالک کو رب المال کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے سرمایے کو بڑھانے کی فکر بھی کرتا ہے۔ ''العالمین'' سے مراد تمام جہاں ہیں، جیسے عالم دنیا، عالم برزخ، عالم ملکوت، عالم ملائکہ، عالم انسانیت، عالم حیوانات اور دوسرے تمام عالم۔ اللہ ان سب کا مالک بھی ہے اور پروردگار بھی۔ وہ تمام جہانوں کا مختارِ مطلق بھی ہے اور وہی انہیں پروان بھی چڑھا رہا ہے۔ وہی اُن کا پالنہار اور روزی رساں ہے۔

حضرات آج اسی ایک ہی آیت پر گفتگو ہو سکی ہے، اگلی آیت پر گفتگو ان شاء اللہ آئندہ جمعہ میں ہوگی۔ دُعا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی بندگی کرنے اور شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

بانیٔ تنظیم اسلامی، داعی تحریک خلافت اور صدر مؤسس انجمن خدام القرآن

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا سفر آخرت

مرتب: وسیم احمد

موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ہر ذی روح جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے ایک معین وقت پر داعیٔ اجل کو لبیک کہنا ہے۔ لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنے قول وفعل سے اپنے ہم عصروں کو اس قدر متاثر کرتی ہیں اور ان کے قلب وذہن پر ایسے انمٹ نقوش چھوڑتی ہیں جن سے تاثیر پا کر لوگ اپنی زندگیوں کا رُخ متعین کرتے ہیں۔ ایسی ہی ایک نابغہ روزگار شخصیت محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تھی۔ آپ پیشے کے اعتبار سے ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے۔ اگرچہ آپ نے اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو بہت تھوڑی دیر کے لیے آزمایا اور بہت جلد اس مقدس مشن کی طرف لوٹ گئے، جس مشن کی تکمیل کا خواب علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ نے دیکھا تھا۔ وہ پاکستان میں نظام خلافت کی طرز پر ایسی اسلامی حکومت کے قیام کے خواہاں تھے جہاں ہم پوری طرح اسلام کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر دنیا کو اسلام کا عملی نمونہ دکھا سکیں اور پھر پاکستان پورے کرۂ ارض پر نفاذ اسلام کا نقطۂ آغاز بن سکے۔ یہ عظیم تر مقصد ہزاروں لوگوں کے تن، من اور دھن کی قربانیاں مانگتا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب دین کے اس تقاضے سے بخوبی آگاہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے سب سے پہلے اپنے آپ کو انسانیت کے اس اعلیٰ ترین مقصد کے لیے وقف کیا اور بقول ان کے ”جب تک سانس تب تک آس“ وہ ملک میں نفاذ اسلام کے لیے واقعتاً آخری سانسوں تک مصروف عمل رہے۔ ڈاکٹر صاحب کو کئی عوارض لاحق تھے، لیکن انہوں نے کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کچھ عرصہ قبل کمر کے آپریشن کے باعث ڈاکٹرز نے انہیں تقریباً دو ماہ کے لیے بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تو وہ تیمارداری کے لیے آنے والے لوگوں کو اکثر یہ کہہ کر محظوظ کر دیتے کہ ”میں بیمار نہیں، معذور ہوں“ عزم و ہمت کا یہ پہاڑ جس کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے 13 اور 14 اپریل کی درمیانی شب حرکت قلب بند ہونے کے سبب اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میڈیا کے تیز ترین دور کی بدولت ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر دنیا بھر کے ٹی وی چینلز نے بریکنگ نیوز کے طور پر چلا کر آپ کے چاہنے والوں اور رفقاء تنظیم اسلامی کو ایک طرح سے ”فیوز“ سا کر دیا۔ خبر کا سننا تھا کہ مرد وخواتین کا جم غفیر ڈاکٹر صاحب کے آخری دیدار اور ان کے لواحقین کو دلاسا دینے کے لیے قرآن اکیڈمی کی طرف لپکا۔ ڈاکٹر صاحب کا چہرہ دیکھنے والے ہر شخص کا یہ تاثر تھا کہ ڈاکٹر صاحب تو گویا انتہائی پرسکون انداز میں سو رہے ہیں۔ ایسا کیوں نہ لگتا کیونکہ امتحان کی بھرپور تیاری کرنے والا طالب علم کمرۂ امتحان میں جانے سے قبل ہشاش بشاش اور پرسکون ہی دکھائی دیتا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اپنے تمام بھائیوں اور قریبی رفقاء کے ساتھ مشورہ کے بعد طے کیا کہ نماز جنازہ بعد نماز عصر سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن میں ادا کی جائے گی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی اچانک رحلت کا سن کر حکومتی مشنری بھی حرکت میں آئی اور علی الصبح DCO لاہور کا فون آیا اور انہوں نے تعزیت کے بعد کہا کہ ہمیں جنازے کا روٹ پلان بتایا جائے، تاکہ ہم سیکیورٹی وغیرہ کا بندوبست کر سکیں۔ حلقہ لاہور کے رفقاء کو 4 بجے شام سنٹرل پارک میں نماز عصر ادا کرنے کا کہا گیا تاکہ نماز عصر سے فارغ ہو کر وہ اپنے عظیم قائد کی نماز جنازہ کے انتظامات کر سکیں۔ اعلیٰ ترین حکومتی شخصیات کی آمد کے پیش نظر سیکیورٹی کے بہترین انتظامات کیے گئے تھے ماڈل ٹاؤن پارک کے ہر گیٹ پر واک تھرو گیٹ نصب اور پولیس کی بھاری نفری تعینات تھی اور جنازہ کے روٹ پر جگہ جگہ پولیس کا پہرہ تھا، تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہونے پائے۔

لوگوں کا جم غفیر چار بجے شام ہی سے پارک کے ہر گیٹ سے آ رہا تھا اور شدید گرمی کے باوجود لوگ انتہائی اطمینان سے صفوں پر بیٹھے نماز عصر کے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری طرف الیکٹرانک میڈیا کے نمائندوں کی کثیر تعداد اپنی DSNG vans کے ہمراہ جنازے کے منظر کو لائیو ٹیلی کاسٹ کرنے کے لیے تیار تھی۔ اسی طرح پرنٹ میڈیا کے نمائندے بھی اپنے اپنے اخبار کی رپورٹنگ اور فوٹوگرافر کوریج کے لیے موجود تھے۔

ٹھیک پانچ بجے جونہی ایمبولینس ڈاکٹر صاحب کی میت کو لے کر پارک کے گیٹ سے داخل ہوئی تو نظم وضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے اور عوام کا جم غفیر زاروقطار روتا ہوا اس خادم قرآن کی میت کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ایمبولینس کی طرف لپکا۔ رفقاء تنظیم اسلامی اور سیکیورٹی پر مامور پولیس نے جاں توڑ کوشش کے بعد میت کو نماز جنازہ کے لیے مقررہ جگہ پر پہنچایا۔ حافظ عاکف سعید نے نماز عصر کی امامت فرمائی اور اس کے بعد اپنے مختصر خطاب میں لوگوں کو صبر کی تلقین اور محترم ڈاکٹر صاحب کے مشن کو جاری رکھنے کا عزم دہرایا۔ تقریباً ساڑھے پانچ بجے حافظ عاکف سعید نے اپنے والد اور بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل بجھا ہوا تھا۔ اس موقع پر ماڈل ٹاؤن پارک اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگیٔ داماں کا منظر پیش کر رہا تھا اور حاضرین کی تعداد کا شمار ممکن نہ تھا۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے حضرات کا جم غفیر موجود تھا۔ جنازہ میں شرکت کرنے والے نمایاں لوگوں میں مولانا سمیع الحق، حافظ حسین احمد، سید منور حسن، قاضی حسین احمد، لیاقت بلوچ، حافظ ادریس احمد، فرید احمد پراچہ، زید حامد، مولانا رفیع عثمانی، حافظ محمد سعید، حنیف جالندھری، مولانا عبد الرؤف، مولانا طاہر اشرفی، مجیب الرحمٰن انقلابی، سہیل ضیاء بٹ، ذوالفقار کھوسہ، میاں عامر محمود، مجید نظامی، مجیب الرحمٰن شامی، انجینئر سلیم اللہ، اوریا مقبول جان، چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ خواجہ شریف، حافظ زبیر احمد ظہیر، مولانا زاہد الراشدی، حافظ عبد الرحمٰن مکی، سیف اللہ منصور، یحیٰی مجاہد مسلم لیگ (ن) کے ارکان اسمبلی نصیر احمد بھٹہ، حافظ نعمان، صوبائی وزراء چودھری عبد الغفور اور علی احمد اولکھ شامل تھے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ نماز جنازہ کے بعد میت آخری دیدار کے لیے رکھی جائے گی، لیکن عوامی جذبات ہمارے کارکنوں اور سیکیورٹی حکام کے کنٹرول سے باہر

(باقی صفحہ 11 پر)

رپورٹ: وسیم احمد

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے انتقال پر

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام رفقاءِ تنظیم کے نام

بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے اچانک انتقال کے باعث رفقاء تنظیم اسلامی اسی طرح رنجیدہ اور دل شکستہ تھے جیسے ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اپنے اہل خانہ۔ ان کے لیے بانیٔ تنظیم اسلامی کی رحلت کسی طرح اپنی فیملی کے بڑے بزرگ کم نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رفقاء کے روحانی باپ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر رفیق تنظیم کے عزیز واقارب ڈاکٹر صاحب کی وفات پر رفقاء تنظیم سے ایسے تعزیت کر رہے تھے جیسے ڈاکٹر صاحب ہر رفیق تنظیم کی فیملی کا حصہ تھے۔ امیر حلقہ لاہور نے بانی محترم کے انتقال کے بعد 17 اپریل کو بعد نماز مغرب حلقہ لاہور کے رفقاء کی میٹنگ قرآن آڈیٹوریم لاہور میں بلائی، تاکہ مل جل کر دکھ بانٹا جائے اور امیر تنظیم اسلامی سے تعزیت کے ساتھ ساتھ ان کی قیادت پر مکمل اعتماد اور اُن سے یک جہتی کا اظہار کیا جائے۔ اس موقع پر تنظیم اسلامی کے ناظم تربیت اور تاسیسی رفیق جناب رحمت اللہ بٹر نے ڈاکٹر صاحب کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اُن کے بعد امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے خطاب فرمایا۔ اُن کا یہ خطاب بانیٔ تنظیم اسلامی کی وفات پر نہ صرف رفقائے لاہور بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے رفقاء واحباب کے نام بھی اُن کا پیغام ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے روحانی باپ اور عظیم محسن اپنا سفر حیات مکمل کر کے اللہ کے حضور پہنچ چکے تھے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کے ابدی قانون کا ظہور ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت۔ تاہم ان کی جدائی کا غم اور صدمہ اپنی جگہ ہے جو لاکھوں انسانوں کو بے قرار کیے دے رہا ہے۔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر صاحب کی فیملی کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے ہم ایک دوسرے کا دکھ بانٹنے کے لیے آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے میں ہماری لیے امتحان بھی ہے۔ غم واندوہ کی یہ کیفیت کہیں ہمارے زوال عملی کا موجب نہ بن جائے کہ مایوسی کی ایسی کیفیت ہم پر مسلط ہو جائے کہ ہم اس مشن کو ترک کر بیٹھیں جس کی شمع انہوں نے دن رات کی محنت سے روشن کی تھی۔ ہمیں ایک دوسرے سے تعزیت کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو حوصلہ بھی دلانا ہے اور اس مشن کو بڑھانے کا عزم مصمم کرنا ہے۔ علامہ اقبال کی مشہور نظم ''والدہ محترمہ کی یاد میں'' کے ایک شعر: ''تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی -- شدت غم سے وہ الفت اور گہری ہو گئی'' کے حوالے سے امیر تنظیم نے فرمایا کہ آج ہم رفقاءِ تنظیم بالکل یہی کیفیت بانیٔ محترم کے حوالے سے اپنے باطن میں محسوس کر رہے ہیں۔ ہمیں اس موقع پر اپنے مشن کو مزید تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اب ہمارا طرز عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ روزِ قیامت جب ہم دوبارہ اکٹھے ہوں تو محترم ڈاکٹر صاحب سے منہ چھپاتے پھریں اور وہ ہمارے حال پر افسوس کریں، بلکہ اس حال میں ملاقات ہونی چاہیے کہ ہمیں دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کا سر فخر سے بلند ہو جائے۔

انہوں نے اس موقع پر محترم ڈاکٹر صاحب کی دو خداداد صلاحیتوں کا خصوصی طور پر ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو اولاً غیر معمولی ذہانت، معاملہ فہمی اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت دی اور ثانیاً غیر معمولی قوت بیان عطا فرمائی تھی۔ ان صلاحیتوں کا حامل انسان اگر حصول دنیا کو مقصد حیات بنا لے تو وہ ہر نوع کے پروفیشن میں مقامِ کمال حاصل کر سکتا ہے۔ امیر محترم نے کہا کہ اگر ڈاکٹر صاحب وکالت کا پیشہ اختیار کرتے تو یقیناً پاکستان کے نمبر 1 وکیل قرار پاتے، لیکن انہوں نے اس صلاحیت کو قرآن کے سمجھنے اور سمجھانے اور غلبہ واقامت دین کی جدوجہد کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے بانیٔ تنظیم کی زندگی کے لائق تقلید پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بامقصد زندگی گزاری ہے اور انہوں نے اس چیز کو مقصد حیات بنایا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے منتخب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دین اور آخرت کو ہر چیز پر ترجیح دی۔ ہر قسم کے حالات میں کلمہ حق کہا۔

انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطا تھی کہ اُس نے قرآن کو ڈاکٹر صاحب کی زبان پر آسان کر دیا تھا۔ چنانچہ ہر وہ شخص جسے اُن کی زبان سے قرآن کے پیغام کو سننے کا اتفاق ہوا، ان کا گرویدہ ہو گیا اور قرآن کے ساتھ اس کا قلبی تعلق قائم ہو گیا۔ بانیٔ تنظیمؒ نے غلبہ واقامت دین کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کیا۔ ان کی محبت اور نفرت کا معیار غلبہ واقامت دین کی جدوجہد سے وابستگی تھی۔ انہوں نے حدیث رسولؐ: ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے'' کو نہ صرف خوب پھیلایا، بلکہ اس کا مصداق بھی بن کر دکھایا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت سے ہمارا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ اگر ہم واقعی ان کے احسان مند ہیں تو ہمیں ان کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر ہم ان کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھیں گے تو یہ شے ان کے لیے صدقہ جاریہ اور ہمارے لیے توشۂ آخرت ثابت ہو گی۔

پروگرام کے آخر میں مرحوم بانیٔ تنظیم کی وہ دعا ویڈیو پروجیکٹر کے ذریعے دکھائی گئی جو انہوں نے حال ہی میں فیصل آباد میں منعقد ہونے والی تربیت گاہ کے اختتام پر مانگی تھی۔ بانی محترم کی اِس رقت آمیز دعا میں پروگرام کے حاضرین نہ صرف شریک ہوئے بلکہ بہت سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کا خطاب بہ صدرِ مملکت

قارئین میں سے اکثر کے علم میں ہوگا کہ بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کئی سال تک مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطبات جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب جہاں اور گوناگوں صفات اور خوبیوں کے مالک تھے، وہاں اُن کا سب سے بڑا اور نمایاں وصف یہ تھا کہ حق اور سچ کو بانگ دہل بیان کیا کرتے تھے۔ کلمۂ حق کہنے میں کوئی مصلحت، کوئی لالچ اور کوئی دباؤ اُن کے آڑے نہ آتا تھا۔ جمعہ 28 نومبر 1980ء کو وہ خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ صدر مملکت ضیاء الحق مرحوم نماز کے لیے تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ضیاء الحق مرحوم کو دو ٹوک انداز سے چند خرابیوں کی طرف متوجہ کیا۔ اُن کا یہ خطاب جو اُنہی دنوں ٹیپ سے اتار کر میثاق بابت دسمبر 1980ء کی اشاعت میں شائع کیا گیا، اب ڈاکٹر صاحب کی وفات کے موقع پر ندائے خلافت کے خصوصی شمارے میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

''آپ حضرات کے علم میں ہے کہ آج صدر مملکت جناب محمد ضیاء الحق صاحب نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے اس مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔ اگرچہ ایک پہلو سے ذرا تکلیف بھی ہوئی ہے۔ چونکہ باغ میں ہم نے سیکیورٹی کا کچھ زیادہ ہی اہتمام دیکھا (یہ اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ انڈونیشیا کے صدر جناب سوہارتو صاحب نماز جمعہ کے بعد عصرانہ میں شرکت کے لیے باغ جناح میں تشریف لانے والے تھے) شاید ہمارے چند مستقل نمازی ان غیر معمولی حفاظتی انتظامات کی وجہ سے مسجد تک نہ پہنچ سکے ہوں اور لوٹ گئے ہوں۔ بایں ہمہ صدر مملکت کی موجودگی ہمارے لیے بڑی مسرت کی بات ہے۔ میں اس موقع پر چند باتوں کی طرف صدر صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ کام میں اس امید پر کر رہا ہوں کہ صدر صاحب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میں ایک خالص غیر سیاسی آدمی ہوں۔ میں اُس وقت بھی عملی طور پر غیر سیاسی آدمی تھا، جب یہاں سیاست کی بڑی کھچڑیاں پک رہی تھیں اور بہت سے لوگوں نے بہتی گنگا سے خوب ہاتھ دھوئے تھے۔ میں اُس وقت بھی تمام ہنگامی کاموں سے بالکلیہ الگ تھلگ رہا اور اُسی کام میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف رہا۔ جس کو میں نے پورے شعور اور محاسبہ اُخروی کے احساس مسئولیت کے ساتھ اختیار کیا تھا اور اپنا نصب العین بنایا تھا یعنی قرآن حکیم کی روشنی میں اعلائے کلمۃ اللہ اور تجدید ایمان کے لیے سعی و جہد، اور دعوت و تبلیغ۔ الحمدللہ میں اس کام میں پوری یک سوئی کے ساتھ لگا رہا اور لگا ہوا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر کہ اس نے ہر قسم کی سیاسی اور ہنگامی ترغیبات کی طرف مجھے آنکھ اُٹھانے سے محفوظ رکھا ہے۔ میں فی الواقت صدر صاحب کی خدمت میں جو معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس امید پر کہ موصوف ان کو تحمل کے ساتھ سنیں گے۔

میں اس موقع پر چند چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف صدر مملکت کی توجہ منعطف کرانا چاہوں گا۔ میں بڑی بڑی باتوں کا ذکر دانستہ نظرانداز کر رہا ہوں، کیونکہ بات موقع و محل کی مناسبت سے کہیں مفید ہوتی ہے۔ باتیں گو چھوٹی ہیں لیکن وہ صرف بظاہر ہی چھوٹی ہے۔ ورنہ ان کا گہرا تعلق ہمارے مجموعی فکر کے ساتھ ہے۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ کہا تھا اور بالکل درست کہا تھا کہ ''ہم مسلمانوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ ہم بڑی بڑی باتوں کے متعلق تو بہت سوچتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں، حالانکہ چھوٹی چھوٹی باتیں بسا اوقات بڑی باتوں کے حل میں مانع ہوتی ہیں۔

اس موقع پر میں صدر صاحب کی خدمت میں پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لیے جائزہ لیجیے کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے کھیل کو جو حکومت کی جو غیر معمولی سرپرستی حاصل ہے تو کیا یہ گیم قرآن مجید کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے یا سنتِ رسولؐ سے ماخوذ ہے یا ہماری روایات اور تہذیب کا کوئی لازمی حصہ ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے پانچ پانچ اور چھ چھ دن ہماری پوری قوم معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ کھیل کی وجہ سے دفتروں میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ لوگ یا تو ٹی وی کھولے کھیل دیکھتے ہیں یا ٹرانسسٹر ریڈیو کے ذریعہ کامنٹری سنتے ہیں۔ غور کیجیے کہ کتنا قیمتی وقت قومی سطح پر ضائع ہوتا ہے۔ گیمز اور بھی ہیں، جو ڈیڑھ دو گھنٹے میں کھیلے جاتے ہیں۔ ان میں ایکشن ہے، حرکت ہے، جوانمردی ہے۔ ایسے گیمز کی سرپرستی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ کرکٹ کا گیم واقعہ یہ ہے کہ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر کیوں ہم نے اس کو سرفہرست رکھ چھوڑا ہے۔ جبکہ اس گیم کا ہماری روایات سے اور ہماری تہذیب سے کوئی تعلق نہیں! کیا محض اس لیے کہ یہ گیم ہمارے سابق بدیشی حکمرانوں کا خاص اور پسندیدہ کھیل ہے، اس کو جاری رکھا گیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اس کھیل کی سرپرستی کا کوئی جواز یا فائدہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ وقت کا قومی سطح پر زیاں، پھر اس کھیل پر لاکھوں کا خرچ! جو فضول خرچی اور اسراف کے ذیل میں آتا ہے۔ اس لیے میں عرض کروں گا کہ ہمدردی سے جائزہ لیجیے کہ اس گیم کی سرپرستی سے قومی سطح پر نقصان اور فائدے کا تناسب کیا ہے، پھر کوئی مثبت قدم اُٹھائیے۔

> صدر صاحب! اگر آپ شریعت کے تمام احکام کو نافذ نہیں کریں گے تو یہ شریعت پر بھی ظلم ہوگا اور لوگوں پر بھی

دوسری بات میں نبی اکرم ﷺ کے قول مبارک کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تھا:

''میں اس اُمت کے بارے میں جس بات کا سب سے زیادہ اندیشہ رکھتا ہوں وہ عورتوں کا فتنہ ہے۔''

(اوکما قال رسول اللہ ﷺ)

خدا کے لیے سوچئے، ہمارے دین کی کچھ روایات ہیں، کچھ شعائر ہیں۔ ہماری شریعت میں جہاں زنا اور

قذف کے لیے حدود وتعزیزات مقرر کی گئی ہیں، وہاں ستروحجاب کے لیے بھی کچھ احکامات دیئے گئے ہیں اور کچھ قیود و عائد کی گئی ہیں۔ میں یہ بات مختلف مواقع پر اپنی تقاریر اور تحریرات میں عرض کر چکا ہوں اور ٹیلی ویژن پر بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ شریعت کے تمام احکام کو نافذ نہیں کریں گے تو یہ شریعت پر ظلم ہوگا اور لوگوں پر بھی ظلم ہوگا۔ ہمیں اپنی روایات کی طرف دیکھنا چاہیے اور ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم ان سے روگردانی تو نہیں فکر رہے۔

میں بڑی دلسوزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ پتہ نہیں کہ میری زندگی کتنی ہے اور کتنی زندگی صدر صاحب آپ کی ہے۔ لہٰذا قول حق کہنے میں نہ مجھے مداہنت اختیار کرنی چاہیے اور نہ ہی آپ کو اس پر سنجیدگی سے غور وخوض کرنے میں تامل کرنا چاہیے۔ آپ سوچئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپ کے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی ٹیم تیار ہورہی ہے۔ اور ایسے معاملات میں قدم پیچھے ہٹنے کی بجائے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ سیلاب کا رُخ موڑیں اور معاشرے سے وہ طور طریقے ختم کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے دین کی رو سے برائیاں ہیں اور ہماری اخلاقی اقدار کے قطعی منافی ہیں۔ خدا نے آپ کو اس کا موقع دیا ہے۔ سیاسی باتیں میں اس موقع پر کرنا نہیں چاہتا۔ وہ اپنی جگہ اہم ہیں لیکن ہر چیز کا اپنا ایک مقام ہے۔ ویسے بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں اور میں اپنی زندگی دینِ مُبین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کی خدمت کے لیے وقف کر چکا ہوں۔ میری یہ حقیر اور ناچیز کوششیں میرے لیے کسی درجہ میں بھی توشۂ آخرت بن جائیں تو یہی میرے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔ لیکن میں اپنا دینی فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے کتاب و سنت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے قول مبارک کہ 'الدین النصیحة' کی تعمیل میں آپ کی دینی و دنیوی خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں۔ حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزوِلاینفک ہیں۔ اُمہات المومنینؓ کے لیے سورۂ احزاب میں جو احکام آئے ہیں، وہ محض تلاوت کے لیے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لیے ہیں۔ جیسے ہمارے مردوں کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ اُسوۂ حسنہ ہیں، ہماری خواتین کے لیے بھی تو اُسوۂ چاہیے تھا۔ سورۂ احزاب ہی میں یہ آیت

> صدر ایوب مرحوم کے دور میں جو شریعت سے متصادم عائلی قوانین نافذ کیے گئے تھے، خدا کے لیے سوچئے کہ وہ کیوں نافذ رہیں؟

آئی ہے ﴿لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ﴾ بلاشبہ اے مسلمانو! تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مطہرہ ایک بہترین و کامل نمونہ ہے۔ اب خواتین کے لیے بھی تو ایک اُسوۂ حسنہ چاہیے تھا۔ خواتین کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں، جن کے لیے نبی اکرم ﷺ کی زندگی اُسوہ نہیں بن سکتی۔ اس ضرورت کے لیے ہماری خواتین کے لیے اُسوۂ ہے ازواجِ مطہرات کا۔ اسی لیے ازواج مطہرات سے قرآن مجید میں اسی سورۂ احزاب میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (آیت:32) ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔'' یعنی تمہیں تو اُمت کی خواتین کے لیے نمونہ بننا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ''اگر تم میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اُسے دہری سزا دی جائے گی'' (آیت:30) اور ''تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے۔'' (آیت:31) ازواج مطہرات کو جو تنبیہ کی گئی اور جو بشارت دی گئی ہے تو یہ معاملہ ہمارے غور وفکر کا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان آیات پر تدبر کریں اور ان سے جو ہدایات اخذ ہوں، ان پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں سے عمل کرانے کی حتی الامکان اور حتی الوسع کوشش کریں۔ مجھے اندازہ ہے کہ انگریز کی غلامی اور دوسرے اسباب سے ہمارے معاشرے کی ذہنی و اخلاقی اقدار و روایات میں زبردست انحطاط آیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری معیشت کا ایسا ڈھانچہ بن گیا ہے، جس میں عورتیں معاشی میدان میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہے لیکن میں عرض کروں گا کہ Where there is a will there is a way یعنی عزم مصمم ہو اور یہ ارادہ کر لیا جائے کہ یہ کام کرنا ہے، اپنی روایات اور اپنے دین کی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے تو ان شاء اللہ راہ آسان ہو جائے گی۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ صدر ایوب مرحوم کے دور میں جو عائلی قوانین نافذ کیے گئے تھے، ان کو پاکستان کے ہر مکتب فکر کے علماء کرام نے غلط قرار دیا تھا۔ لیکن آج بھی ان کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کے لیے سوچئے کہ جو قوانین بالاتفاق شریعت سے متصادم ہوں، وہ کیوں نافذ رہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لے اور آپ اس ملک کی تاریخ میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے۔ بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو۔ لہٰذا میری مخلصانہ اپیل ہے کہ جو مواقع آپ کو حاصل ہیں، ان کو غنیمت سمجھا جائے۔ تبدیلی اور اصلاح کے کام کا آغاز چھوٹی چھوٹی سی باتوں ہی سے کیجئے۔ ''قطرہ قطرہ بہم شود دریا''۔ میں نے کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ جو قول حق ہے اس کو سنیں، اور قرآن حکیم کے ان الفاظ مبارکہ کا کامل مصداق بنیں: ﴿اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ﴾ یعنی جو صحیح بات بھی آپ کے گوش گزار ہو، اس کو عزم مصمم اور بہترین طریق سے روبعمل لانے کی توفیق پائیں۔ آمین یارب العالمین!

☆☆☆

بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا سفر آخرت

ہو رہے تھے۔ کوئی چارپائی کو چوم رہا تھا تو کوئی چہرہ دیکھنے کو ترس رہا تھا۔ دھکم پیل کے سبب بزرگ حضرات گر رہے تھے۔ رش کی وجہ سے میت کی بے حرمتی کے خدشے کے پیش نظر نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اس وقت یہاں آخری دیدار نہ کروایا جائے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے جسد خاکی کو بڑی مشکل سے ایمبولینس تک پہنچایا گیا، اور تدفین کے لیے سفر آخرت شروع ہوا۔ قبرستان چونکہ کچھ فاصلے پر تھا، لہٰذا یہ سفر بھی بہت بڑے جلوس کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اذان مغرب سے ذرا پہلے قرآن اکیڈمی کے قریب قبرستان میں جہاں مرحوم اظہار احمد اور اقتدار احمد دفن ہیں رفقاء و لواحقین کی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو لحد میں اتارا گیا۔ تدفین کے بعد حافظ عاکف سعید صاحب نے خصوصی دعا کی اور وہاں موجود ہر آنکھ کو رلا دیا۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وحاسبہ حساباً یسیراً

ڈاکٹر اسرار احمد قرآن کی تفسیر کو عام فہم انداز میں بیان کرتے، میری ان سے گہری وابستگی رہی ہے (ڈاکٹر جاوید اقبال)

ہم اسلام اور مسلمانوں کی ایک متاعِ عزیز سے محروم ہو گئے ہیں (جاوید غامدی)

ڈاکٹر اسرار احمد اسلام اور پاکستان کے سچے سپاہی اور مخلص خادم تھے (مفتی رفیع عثمانی)

جس شخصیت نے میری زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے وہ ڈاکٹر اسرار احمد تھے (ڈاکٹر شاہد مسعود)

ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان اور پورے عالم اسلام کا سرمایہ تھے (مجیب الرحمٰن شامی)

ڈاکٹر اسرار احمد اُردو زبان کے سب سے بہترین مفسرِ قرآن تھے (ڈاکٹر ذاکر نائیک)

''ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں'' دنیا ٹی وی کا بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر خصوصی پروگرام

مرتب: وسیم احمد

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پُر ملال پر دنیا ٹی وی نے اپنے پروگرام ''دین و دانش'' کا ایک خصوصی پروگرام ''ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں'' نشر کیا۔ جس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کو محترم ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی اور ان کی دینی خدمات کے حوالے سے گفتگو کے لیے سٹوڈیو میں مدعو کیا گیا تھا۔ اس موقع پر مختلف علمائے کرام، دانشور حضرات اور شعبۂ صحافت سے تعلق رکھنے والی اعلیٰ ترین شخصیات نے محترم ڈاکٹر صاحب کو جس انداز میں خراجِ تحسین پیش کیا وہ نذرِ قارئین ہے۔

فرزندِ اقبال، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے کہا کہ میری ڈاکٹر اسرار احمد سے گہری وابستگی رہی ہے۔ ہم اکثر ٹی وی چینلز پر اظہارِ خیال کے لیے اکٹھے مدعو کیے جاتے تھے۔ وہ مجھ سے بہت ہی محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ میں نے ایک دو دفعہ قرآن اکیڈمی میں بھی ان سے ملاقات کی۔ وہ احیائے خلافت کے حوالے سے بہت ''کلیئر ہیڈڈ'' تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ نظام خلافت لازمی رائج ہو کر رہے گا۔ جب ایک فریق اپنے مؤقف پر اتنا convinced ہو تو اس پر بات کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ قرآن کی تفسیر کو عام فہم انداز میں بیان کرتے تھے۔ خلافت کا تصور ان کا پسندیدہ موضوع رہا ہے جبکہ میرا موضوع اسلام کا سیاسی فلسفہ رہا ہے۔ ان موضوعات پر اکثر ہماری بحثیں ہوتی رہتی تھیں۔

معروف اسلامی سکالر جاوید احمد غامدی نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد اسلام اور مسلمانوں کی متاعِ عزیز تھے۔ وہ ایک وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔ انہوں نے جس انداز میں اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کیا اور پھر پوری استقامت اور عزیمت کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی پوری زندگی بسر کی وہ ہمارے لیے بہترین مثال ہے۔ وہ جدید و قدیم علوم پر گہری نظر رکھتے اور اپنی بات بڑے سلیقے سے کہنے کا ہنر جانتے تھے۔ ہمارے ہاں بہت کم لوگ اتنے شستہ اور اتنے اعلیٰ اسلوب میں اپنا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو دی تھی۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ جس دینی تصور کو وہ درست سمجھتے تھے اسے لوگوں کے ذہن میں اُتاریں، اس کے مطابق ان کی تربیت کریں۔ اس کے لیے انہوں نے ایک بڑی تنظیم بھی قائم کی۔ اس لحاظ سے وہ بڑی ہمہ جہت شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسی عظیم مقصد کی نذر کر دیا۔ ان کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ جو کچھ صحیح سمجھتے تھے اسے برملا کہتے تھے۔ اس میں ادنیٰ درجے کی کوئی مداہنت کبھی نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں اور اہل خاندان کو بھی اسی مسلک کا پابند کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے رجوع الی القرآن کی ایک تحریک برپا کیے رکھی۔ بلکہ مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ جس زمانے میں ہم لوگ طالب علم تھے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ قرآن مجید کی منادی کرنے والا ایک شخص پیدا ہو گیا ہے جو صبح و شام اس جانب لوگوں کی توجہ دلاتا ہے کہ لوگو! اللہ کی کتاب کی طرف آؤ، اللہ کی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو، اس کو سمجھو، اس میں تدبر کرو، اپنی زندگی اس کے مطابق تبدیل کرنے کی کوشش کرو۔ ان کا ایک بہت ہی اچھا کتابچہ ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کیا ہیں۔ میرے نزدیک ان کی تحریروں میں وہ بہترین تحریر ہے۔ اور اس میں انہوں نے بڑی جامعیت کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے ان کے نقطہ ہائے نظر سے شدید اختلاف رہا ہے، لیکن یہ بالکل الگ چیز ہے۔ اپنے نقطۂ نظر پر استقامت میں وہ ایک بے نظیر شخصیت تھے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کی ایک متاعِ عزیز سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کی محرومی ہم سب کی محرومی ہے اور ان کی وفات کا غم ہم سب کا غم ہے۔ میں ملک سے باہر تھا۔ جس وجہ سے ان کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہو سکا۔ اس کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ میرے دل میں ان کی بے پناہ عزت ہے۔ وہ میرے محسن اور بزرگوں میں سے تھے۔ میں ان سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی اپنے نقطۂ نظر سے کتنی محبت رکھتا تھا۔ اس کی صحت پر اسے کیسا یقین و ایمان ہے۔ اور اس مقصد کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ ان کا بغض اور ان کی محبت سب اسی نقطۂ نظر کے تحت ہوتی تھی۔

پاکستان کے معروف عالم دین مفتی رفیع عثمانی نے کہا کہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ ہمارے زوال کے دو اسباب ہیں۔ آپس کی پھوٹ اور قرآن کریم کو چھوڑنا۔ اور بلا شبہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ قرآن کے لیے خاص جذبہ عطا کیا تھا۔ وہ پاکستان

اوراسلام کے سچے سپاہی اورمخلص خادم تھے۔ایک زمانے میں وہ ہمارے دارالعلوم کراچی کے پڑوس میں کچھ عرصہ کے لیے مقیم رہے۔ پانچوں وقت کی نماز دارالعلوم میں پڑھتے تھے۔ ہمارے ساتھ اس وقت بھی ان سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ اس کے بعد مختلف میٹنگوں میں ان سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کو اسلام اور پاکستان کے سلسلے میں مخلص پایا۔ اختلاف رائے ان سے کیا جاسکتا ہے اور ہوا بھی ہے لیکن یہ کہ پاکستان اور اسلام کے لیے ان کے اخلاص میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ ہم بہت مخلص خادم اسلام اور خادم پاکستان سے محروم ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان سے جو فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا تھا۔ وہ پہنچتا رہے اور ان سے اگر کوئی کوتاہیاں ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین!)

جیو نیوز کے مشہور اینکر ڈاکٹر شاہد مسعود: نے کہا کہ میں بے شمار لوگوں سے ملا ہوں اور تفصیلی ملاقاتیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن جس شخصیت نے میری ذات پر گہرے نقوش چھوڑے وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تھے۔ نائن الیون کے بعد بہت مشکل دور تھا۔ اس دور میں لوگوں نے اسلام کی مختلف تعبیرات شروع کر دیں تھیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب اپنے موقف سے ایک لمحے کے لیے نہیں ہٹے اور میں ان سے جب بھی ملا، میں نے بہت Strength Gain کی۔ ڈاکٹر صاحب کے اوپر ایک دور ایسا آیا کہ انھیں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں بین کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت میں نے بہت سٹینڈ لیا اور ہم نے کوشش کی کہ ڈاکٹر صاحب کے خیالات عوام تک پہنچیں کیونکہ لوگ ڈاکٹر صاحب کی بات سننا چاہتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کی موت بہت بڑا المیہ ہے اور قرب قیامت کی جو نشانیاں بیان ہوتی ہیں کہ علم کو اٹھا لیا جائے گا تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ اب یہ صاحبِ علم لوگ اُٹھائے جا رہے ہیں اور کم از کم ہماری زندگیوں میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا خلا کوئی پورا نہیں کر سکے گا۔ میں جب بھی ان سے ملتا تھا، مجھے ان سے مل کر ایک روشنی ملتی تھی۔ وہ آدمی کو بہت زیادہ انسپائر کرتے تھے۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے جب بھی کوئی سوال ان سے کیا وہ انتہائی کلیریٹی کے ساتھ اس کا جواب دیتے تھے۔ ایک دلچسپ بات کہ قرآن اکیڈمی میں میں نے ایک پروگرام ریکارڈ کیا تھا جس میں مجھے اعزاز حاصل ہوا کہ میں دونوں شخصیات یعنی ڈاکٹر صاحب اور ڈاکٹر جاوید اقبال کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جس صبح مجھے ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپ یقین کریں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو شاید میں اس دن ان کے لیے جتنا رویا تھا اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے لیے رویا ہوں۔

روزنامہ پاکستان کے چیف ایڈیٹر مجیب الرحمٰن شامی: نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب، پاکستان اور پورے عالم اسلام کا سرمایہ تھے۔ انہوں نے پوری زندگی قرآن کی خدمت کے لیے وقف کی اور جس بات پر وہ یقین رکھتے تھے بے باک انداز میں کہتے تھے۔ ان میں جو سچائی، سادگی اور بے باکی تھی یہ اپنی مثال آپ تھے۔ وہ ذاتی زندگی میں باعمل عالم تھے۔ یعنی ان کے ہاں وہی سادگی وہی قناعت موجود تھی جس کا وہ پرچار کرتے تھے۔ ہمارے علماء کرام اور دینی جماعتوں میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کو توفیق ہوئی ہے کہ وہ سماجی برائیوں اور رسوم و رواج کے خلاف آواز اُٹھائیں اور ان کے خلاف جہاد کریں۔ ڈاکٹر صاحب اس لحاظ سے انتہائی منفرد تھے۔ ان سے بات کر کے، ان سے اختلاف کر کے لطف آتا تھا۔ وہ بات کہنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ وہ صاحب اسلوب بھی تھے اور بولنے والے بھی تھے۔ ان کی خطابت اپنی مثال آپ تھی۔ وہ انتہائی سادہ لفظوں میں اپنی بات کہتے تھے۔ ان کی بات سن کر ایسا لگتا تھا جیسے آپ کتاب پڑھ رہے ہوں۔ ان سے اختلاف کے بھی کئی پہلو پیدا ہوئے۔ کئی معاملات میں بعض لوگوں کو ان سے اختلاف ہوا لیکن انہوں نے اپنی رائے کا برملا اور دوٹوک انداز میں اظہار کیا۔ وہ لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ وہ سیاسی معاملات اور قومی مسائل پر جب اظہارِ رائے کرتے تھے تو قطعی اور دو ٹوک انداز میں بات کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنی دینی تعبیر کے سو فیصد درست ہونے پر انتہائی پختہ یقین تھا اور یہ یقین اپنی جگہ ایک مثبت بات بھی ہے کیونکہ آدمی اپنے مشن کے بارے میں اگر بالکل یکسو ہو جائے تو پھر اپنی پوری زندگی اس کے لیے وقف کر سکتا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے افکار کی ترویج کے لیے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا ہے۔ یعنی انہوں نے جتنی محنت کی ہے اور جس طرح انہوں نے قرآن کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے اور جس طرح انہوں نے درس دیئے ہیں، یہ کسی ایک شخص کے بس کی بات نظر نہیں آتی۔ مولانا مودودی کے فلسفہ اقامت دین سے ڈاکٹر صاحب بالکل متفق تھے۔ لیکن وہ انقلاب برپا کرنے کے لیے اور دین کا نظام قائم کرنے کے لیے انتخاب کے ذریعے پُرامید نہیں تھے۔ وہ غلبہ دین کے فریضہ کو غیر انتخابی انداز میں انجام دینے کے قائل تھے۔ یہاں آ کے ان کا مولانا مودودی سے اختلاف پیدا ہوا۔ یعنی آپ یوں کہہ سکتے کہ ان کا جڑ کے معاملے میں اختلاف نہیں شاخوں کے بارے میں اختلاف تھا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب اگر جماعت اسلامی میں رہتے تو وہ زیادہ بہتر انداز میں اپنا نقطہ نظر لوگوں پر واضح کر سکتے تھے اور شاید جماعت اسلامی کی پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکتے تھے۔ جماعت اسلامی سے ڈاکٹر صاحب اور مولانا اصلاحی کی علیحدگی کی وجہ سے ایسا خلا پیدا ہوا جو آج تک پُر نہیں ہوا۔ آج بھی جماعت اسلامی کی صفوں میں اہل علم حضرات کی کمی محسوس ہوتی ہے اور اگر اس وقت اختلاف کو محدود کر دیا جاتا اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا جاتا تو شاید اس صورت حال سے بچا جاسکتا تھا۔

عالم اسلام کے مشہور مقرر ڈاکٹر ذاکر نائیک: نے کہا کہ میرے نزدیک ڈاکٹر اسرار احمد اُردو زبان کے سب سے بہترین مفسرِ قرآن تھے۔ میں ان کی اُردو تقریر کا بڑا فین ہوں۔ میرے نزدیک پیس ٹی وی میں جتنے اُردو مقررین ہیں ان سب سے بہترین ڈاکٹر اسرار صاحب تھے۔ میں الحمدللہ 1991 میں ان سے ملا تھا۔ اس وقت سے ہمارے ان کے ساتھ تعلقات ہیں اور میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میں شیخ احمد دیداتؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے متاثر ہو کر دعوت کے میدان میں آیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے ہدایت کی تھی کہ آپ میڈیسن اور دعوت میں سے کسی ایک فیلڈ کو اپنے لیے چن لیں۔ آپ بیک وقت دونوں میں سپیشلائز نہیں کر سکتے۔ میں نے سوچا کہ دعوتی میدان میں سپیشلائز کرنا بہتر ہے۔ ہم نے 2005ء میں محترم ڈاکٹر صاحب کو بمبئی میں بلایا تھا اور ہمارے پاس جو وسائل اور ٹیکنالوجی میسر تھی اس سے ڈاکٹر صاحب کے لیکچرز کی ریکارڈنگ کی تھی۔ 2008ء میں ہم Peace Tv کے لیے پورے قرآن پاک کی ریکارڈنگ کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس کہ ملکی حالات اچھے نہ ہونے کے سبب وہ پروگرام کینسل ہو گیا اور اب جولائی 2010ء میں پورا ایک مہینہ ڈاکٹر صاحب کے لیکچرز ریکارڈ کرنے کا پروگرام تھا لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ایسا منظور نہیں تھا۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ہمارے پاس جتنی بھی پرانی ریکارڈنگز موجود ہیں اس کو جدید ٹیکنالوجی سے Improve کر کے Peace Tv پر لائیں۔

قوم کا کیا بگڑتا...

ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے کہ جہادِ زندگانی میں اپنی سعی و جہد کو قوت لایموت تک محدود رکھو اور بقیہ اوقات، صلاحیت اور مال دین کی جدوجہد کے لیے وقف کردو

محمد سمیع

ہمارے ایک رفیق نے بتایا کہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے چہرے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے ہوں۔ میرے ذہن میں فوری طور پر وہ مصرع آیا کہ ؎ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔ میری ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم و مغفور سے وابستگی کو دو عشروں سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ میں نے انھیں بے قراری کے عالم میں ہی پایا۔ چاہے وہ انجمن خدام القرآن کے پلیٹ فارم سے درس قرآن دے رہے ہوں یا تنظیم اسلامی کے کسی پروگرام میں اقامت دین کی جدوجہد کی اہمیت پر گفتگو فرما رہے ہوں، مرحوم کی سیمابی کیفیت انھیں بے قرار کیے رہتی تھی۔ لیکن ہم من حیث القوم ان کے دروس و خطابات سن سن کر سن ہو چکے ہیں۔ مجال ہے، اس بیقراری کا کوئی جز قوم کے حصہ میں آیا ہو۔ قوم کا کیا بگڑتا اگر وہ ان کی اپیل پر اقامت دین کی جدوجہد میں شامل ہو کر وطن عزیز میں نظام خلافت کے قیام میں اپنا حصہ ڈالتی۔ کاش، ایسا ہو سکتا تو آج وطن عزیز کو جن سنگین خطرات کا سامنا ہے' اس کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ دنیا میں امن کے قیام میں ہمارا ملک اہم کردار ادا کر رہا ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کا تنظیم اسلامی کے وابستگان سے صرف اتنا ہی مطالبہ تھا کہ فرائض و واجبات کی پابندی کریں اور بڑے بڑے گناہوں سے بچیں، گھروں میں اسلامی معاشرت کو فروغ دیں، عریانی و فحاشی کو اپنے گھروں میں کسی صورت میں راہ نہ دیں، شرعی پردے کا اہتمام کریں اور رزق حلال پر اکتفا کریں، جہاد زندگانی میں اپنی سعی و جہد کو قوت لایموت (Subsistance Level) تک محدود رکھیں اور بقیہ اوقات' صلاحیت اور مال دین کی جدوجہد کے لئے وقف کر دیں۔ ہم وابستگان تنظیم کو بالعموم یہ شکایت ہے کہ ہمارے پاس وقت ہو تو اس جدوجہد میں لگائیں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا طلبی میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ صرف جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے قرآن و سنت پر مبنی اپنے مطالعہ کا نچوڑ یہ پیش کیا تھا کہ اللہ کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ خود اللہ کے بندے بنو' اللہ کے بندوں تک اللہ کی بندگی کا پیغام پہنچاؤ اور اللہ کی بندگی کے نظام کو وطن عزیز میں نافذ کرنے کی جدوجہد میں حصہ لو۔ قوم بیچاری کے ذہن میں تو دین کا وہی محدود تصور ہے جو انھیں دینی حلقوں سے ملا ہے یعنی نماز' روزہ' زکوۃ اور حج کی ادائیگی کا اہتمام کرلو، اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ ہم قوم پر الزام بھلا کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں، جبکہ دین کا جامع تصور ہم وابستگان تنظیم اسلامی میں بھی راسخ نظر نہیں آتا۔ ہم سب اپنا جائزہ لیں، کیا ہم نے اپنی زندگی کے بہتر اور بیشتر اوقات اہل خانہ کے لیے رزق کے حصول کے لئے نہیں وقف کر رکھے۔ کیا ہم اگر کسی اجتماع میں حاضر نہیں ہو پاتے تو اپنے اندر اضطراب

> ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے قرآن و سنت پر مبنی اپنے مطالعہ کا نچوڑ یہ پیش کیا تھا کہ خود اللہ کے بندے بنو' اللہ کے بندوں تک اللہ کی بندگی کا پیغام پہنچاؤ اور اللہ کی بندگی کے نظام کو وطن عزیز میں نافذ کرنے کی جدوجہد میں حصہ لو

محسوس کرتے ہیں۔ کیا ہم سود، رشوت اور اس جیسی معاشرے میں رائج دیگر برائیوں سے بچے ہوئے ہیں۔

کیا ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور نے قوم کے لئے یہ کہہ کر سہولت پیدا نہیں کر دی تھی کہ وطن عزیز میں بسنے والے ہر فرد کی دینی ذمہ داری کی ادائیگی کے نتیجہ میں اس کی قومی و ملی ذمہ داری بھی خود بخود ادا ہو جاتی ہے کیونکہ دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے نتیجے میں نظام خلافت کے قیام کی راہ ہموار ہوگی اور یہی مملکت خداداد پاکستان کی منزل ہے۔ لیکن ہم میں نہ دینی جذبہ ہے اور نہ ہمارا کوئی قومی تشخص ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا تھا کہ اے میرے رب! میں نے تو اپنی قوم کو دن رات دین کی دعوت دی لیکن اس دعوت کے نتیجے میں ان میں سے کسی شے کا اضافہ نہیں ہوا سوائے فرار کے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور ایک واقعہ اکثر بیان کیا کرتے تھے کہ ایک صاحب جو عرصے سے ان کے دروس قرآن کی محافل میں شرکت کیا کرتے تھے' ایک بار کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ آپ کی ان محفلوں میں شرکت نہیں کروں گا۔ انھوں نے دریافت کیا، بھئی کیوں؟ کہنے لگے، آپ ہمیشہ سود کی حرمت اور اس کے نقصانات پر گفتگو کرتے ہیں۔ میرے لئے سود کو چھوڑنا ممکن نہیں، البتہ آپ کے دروس قرآن کی محفلوں میں شرکت ترک کرنا آسان ہے۔ لہٰذا میں یہی کر سکتا ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم قرآن میں ان لوگوں کا تذکرہ پاتے ہیں جو نہ صرف خود دین کی دعوت کو رد کر دیتے ہیں بلکہ لوگوں کو بھی اس راہ سے روکنے کے لیے نت نئے حربے استعمال کرتے ہیں۔ آج یہی کچھ ہمارے دانشورانِ قوم کر رہے ہیں۔ انھیں بالعموم ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور سے یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ قوم میں مایوسی کا سبب بنتے ہیں۔ دراصل یہ بھول جاتے ہیں کہ داعی دین پر اللہ تعالیٰ نے دو ذمہ داریاں عائد کی ہیں: انذار و تبشیر۔ ہماری قوم کو بشارتیں تو بہت سنائی جاتی ہیں' انذار کی باتیں کم ہی کی جاتی ہیں۔ انبیاء اپنی قوم سے کہتے تھے کہ اگر تم نے یہ اور یہ عمل کیے تو تمھیں جنت کی خوشخبری ہے اور اگر یہ اور یہ عمل کرو گے تو تمھیں دوزخ کی تنبیہہ ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ پیغمبر دوزخ کا ڈراوا دے کر لوگوں میں مایوسی پھیلاتے تھے تو کیا یہ درست بات ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور بھی قوم کو یہ امید دلاتے تھے کہ برصغیر پاک

وہند میں گزشتہ چارسوسالہ دینی مساعی کے بعد پاکستان کے قیام سے اللہ کی مشیت وابستہ ہے۔ دین کا کارواں آگے بڑھے گا تو اس کی مشیت کی تکمیل ہوگی ورنہ موجودہ صورتحال میں تو تباہی ہی مقدر لگتی ہے۔ اگر اس تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو اقامت دین کی جدوجہد میں شامل ہوکر یہاں اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرو۔ مرحوم نے تو کبھی یہ نہیں کہا کہ اس مقصد کے لئے لازماً ان کی تنظیم اسلامی ہی میں شامل ہوا جائے۔ جو بھی دینی جماعتیں اس مقصد کے لئے کام کر رہی ہیں، ان میں سے جس جماعت پر دل ٹھک جائے' اس میں شامل ہوا جائے۔ مقصد جماعت نہیں' دین کی سربلندی کی جدوجہد ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور سے لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ وہ جماعت اسلامی پر تنقید کیا کرتے ہیں۔ مرحوم جماعت اسلامی سے وابستہ تھے اور وطن عزیز میں دین کے نفاذ کے لئے وہ اسی پر دوسرے جماعتوں کی نسبت زیادہ تکیہ کرتے تھے۔ اِس پر انہیں بڑا گہرا صدمہ تھا کہ جماعت اسلامی جو ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی، انتخابی سیاست میں کود پڑی۔ وہ پورے خلوص سے یہ چاہتے تھے کہ جماعت اسلامی اپنی سابقہ پوزیشن پر آجائے اور انتخابی سیاست کو چھوڑ کر انقلابی سیاست پر عمل پیرا ہوتا کہ یہاں دین کے نفاذ کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس کے لئے وہ دلائل بھی رکھتے تھے اور خود انھوں نے تنظیم اسلامی کے کے لئے یہی راستہ منتخب کیا تھا۔ آنے والا وقت ہی ثابت کرے گا کہ انقلابی سیاست کو کامیابی حاصل ہوتی ہے یا انتخابی سیاست کو۔ بہرحال نتائج کی ذمہ داری تو دونوں جماعتوں کے وابستگان کی مساعی پر ہے۔

میں تو صرف تنظیم اسلامی کے رفقاء کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ غور کریں کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور نے اپنا کیریر تج کر اپنی ساری مساعی کو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے وقف کر دیا اور 78 سال کی عمر تک مختلف عوارض لاحق ہونے کے باوجود وہ ہر لحہ اپنے مشن کی کامیابی کے لئے مضطرب رہے اور کبھی چین سے نہ بیٹھے۔ اگر تنظیم اسلامی کا ہر فرد مرحوم کی زندگی کو اپنے لئے آئیڈیل بنائے تو مسابقت میں بازی لے جانے کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ ہم سب ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کو اپنا محسن تسلیم کرتے ہیں تو هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ کے مصداق نظام خلافت کا قیام ہی ہماری منزل ہے۔ ہمارا کیا بگڑے گا کہ اگر ہم ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر جو اسوۂ محمدیؐ کی رہنمائی میں اختیار کیا گیا ہے ہم اس منزل کو حاصل کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آیت بڑی لرزا دینے والی ہے۔ ''اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جسے اس (اللہ) کی آیات کے ذریعہ یاددہانی کی جائے لیکن وہ اس سے منہ موڑے رکھے۔ ہم نے ان کے دلوں پر قفل ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں میں بوجھ پیدا کر دیا ہے اور (اے نبیؐ!) آپ انھیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں''۔ دُعا ہے کہ اللہ ہمیں اس صورتحال سے محفوظ رکھے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں اُن کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق دے۔ آمین!

☆☆☆

ڈاکٹر اسرار احمد کی یادیں اور باتیں

''جامع مسجد حصار' کے احاطے میں مورتیاں دیکھ کر دنگ رہ گیا!''

خالد شہزاد ہاشمی

ممتاز مسلم سکالر، بانی تنظیم اسلامی وصدر انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنا آخری انٹرویو وفات سے چندروز قبل نوائے وقت کے ادبی صفحے کے لیے دیا تھا اور اس میں اپنے عزیز دوست سید قاسم محمود کی رحلت پر گہرے رنج وغم کا اظہار اور انہیں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا تعلق شیرشاہ سوری کی جنم بھومی اور ہریانہ کے تاریخی ضلع حصار سے تھا جو کہ دہلی سے 250 کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔ اس تاریخی شہر میں اکبر، ہمایوں اور شیرشاہ کے دور میں تانبے کے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ حصار سلطان خضر خان، محمود تغلق، محمد شاہ، سلطان بہلول لودھی، ہمایوں، مرزا کامران کی قلمرو میں شامل رہا۔ ڈاکٹر اسرار احمد 90ء کی دہائی کے شروع میں اپنے آبائی شہر حصار بھی تشریف لے گئے تھے جس کا احوال اخبارات ورسائل میں شائع ہوتا رہا تھا۔ انہیں حیدرآباد دکن کے ایک ادارہ نے بھارت مدعو کیا تھا۔ وہ دہلی اور حصار بھی گئے۔ وہ اپنا آبائی مکان ڈھونڈتے ہوئے جامع مسجد حصار کی جانب نکل گئے جہاں وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جامع مسجد میں سرکاری سکول قائم ہے اور مسجد کے احاطہ میں واقع پختہ قبروں کے چاروں جانب مورتیاں نصب ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد حصار کی گلیوں میں اپنا کھویا بچپن تلاش کرتے آبائی گھر پہنچے تو وہاں ایک غیر مسلم پنجابی کی رہائش تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد حسرت و یاس کے ساتھ اپنے آبائی گھر کے درودیوار کو تکتے رہے۔ وہاں ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ یہاں اس کمرے میں میری داغ بیل پڑی تھی۔ حصار سے واپس لوٹتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے 1947ء کی داستانِ خونچکاں بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ''1947ء میں ہم لوگوں نے (مرد، عورتیں، شیرخوار بچے) سوا لاکھ کے قافلوں میں کچھ پیدل اور کچھ بیل گاڑیوں میں پاکستان کوچ کیا تھا اور ایک مہینہ کچھ دنوں میں بڑی مشقت وپریشانی کے عالم میں لاہور پہنچ پائے تھے۔ بالوں میں جوئیں پڑگئی تھیں اور چاول، ستو اور آٹے میں کیڑے پڑ گئے تھے اور بعض لوگ راستے میں دم توڑ چکے تھے''۔ اس وقت حصار میں 68 مساجد ہیں جن میں لاٹ کی مسجد، ہمایوں کی جامع مسجد (1553ء)، بہلول لودھی کی مسجد اور دہلی گیٹ کے باہر ہمایوں کی مسجد (1533ء) شامل ہیں۔ اس وقت یہ تمام تاریخی مساجد ہندوؤں کے ناجائز قبضہ میں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک مسجد میں جو نند سینما حصار کے قریب واقع ہے صرف جمعہ کی نماز ہوتی ہے جبکہ باقی اوقات میں رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد ایک شخصیت نہیں، فکر کا نام تھا

ڈاکٹر قمر احسان

ڈاکٹر اسرار احمد بھی اپنے حصے کا کام کر کے اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ ہر شخص جو دنیا کی اس اسٹیج پر آتا ہے وہ اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کرتا ہے، جو اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ اچھائی اور برائی دونوں کے وجود سے دنیا قائم ہے۔ لیکن اچھا کام کرنے والوں کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ اچھائی کے پرچارک کم ہونے کے باوجود اپنا نقش اس دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں، جن سے آنے والی نسلیں رہنمائی حاصل کرتی ہیں۔

ہم بحیثیت مسلمان ایک خامی کا شکار ہیں۔ ہم نے ہمیشہ انسانی خصائص کو اہمیت دی ہے اور جن اعمال کی وجہ سے وہ خصائص پیدا ہوتے ہیں ان سے روگردانی کی جاتی ہے۔ ہم نے ہمیشہ شخصیت پرستی کی ہے اور شخصیت کی فکر، رہنمائی، اصول وضوابط اور نظریہ پر کار بند ہونے کی کوشش نہیں کی۔ بات ذرا تلخ ہے لیکن کہنا ضروری ہے کہ شخصیت پرستی میں ہم اتنا آگے چلے گئے ہیں کہ باقاعدہ تقلید کا ایک شعبہ پیدا کر لیا ہے، اور تقلید بھی اندھی، جس میں سوچنے سمجھنے کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے۔ تقلید کا ایک پہلو اچھا ہے کہ اگر آپ کسی کے نظریہ سے متاثر ہوں تو اس نظریہ کو، اس اصول کو آگے بڑھائیں، نہ کہ اس شخص کی شخصیت کو اہمیت دینا شروع کر دیں اور وہ شخصیت اپنی فکر اور نظریے سے زیادہ اہمیت اختیار کر جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد بلاشبہ اسلامی دنیا کے عظیم اسلامی اسکالر تھے۔ ان کی وفات کسی بڑے سانحہ سے کم نہیں۔ گزشتہ دنوں سے پاکستان کے قومی اخبارات ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات کے بعد مختلف کالم، مضامین اور ایڈیشن شائع کر رہے ہیں، جو ایک اچھی بات ہے اور یہ ضرور ہونا چاہئے، کہ ایک اسلامی اسکالر اور مسلمان معاشرے کا ہیرو ہم سے جدا ہوا ہے، جس کی کمی مدتوں رہے گی۔

لیکن مجھے ایک بات پر تعجب ہوا ہے کہ تمام لکھاری ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت پر ہی کیوں لکھتے جا رہے ہیں۔ جس وجہ سے ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر، اسلامی اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد بنا، اس فکر، اس نظریے پر بات کیوں نہیں کر رہے۔ اور یہی ہمارا وہ رویہ ہے جو شخصیت پرستی اور تقلید کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ہمارے دانشوروں کو چاہئے کہ وہ قوم کی فکری رہنمائی کریں اور ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر کو عام کریں، نہ کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کو۔

ڈاکٹر اسرار احمد سے قبل بھی ہمارے دانشوروں نے ہمیں شخصیات ہی سے متعارف کرایا ہے، ان شخصیات کے نظریات اور فکریات کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر آج ہمارے دانشوران اسکالرز کی دانش اور فکر کو عام کرتے تو ہم دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ قوموں میں شمار ہوتے۔ ہم نے قائداعظم محمد علی جناح کی فکر اور نظریے کو چھوڑ کر صرف شخصیت پر بات کی اور کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ صرف اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ قائد بہت بڑے لیڈر تھے، جنہوں نے برصغیر کا نقشہ تبدیل کر دیا۔ ٹھیک ہے، یہ کام ایک بڑا لیڈر ہی کر سکتا ہے لیکن یہ بھی تو بتاؤ کہ قائد کن اصول وضوابط اور نظریے پر کار بند ہو کر ایک بڑا لیڈر بنا۔ ہم نے یہ بتانے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ ہم نے قائد کی برسی کو اہمیت دی ہے، اور برسی منانے کو ہی خراجِ تحسین پیش کرنا تصور کر لیا ہے، یہ نہ دیکھا کہ قائد جب ایک لیڈر کے طور پر سامنے آئے تو آپ نے اپنی قوم کے لئے کیا رہنما اصول دیئے۔ جتنی اہمیت شخصیت اور برسی کو دی جاتی ہے اتنی اہمیت کبھی اس شخصیت کے نظریے کو دیں تو ہم ترقی یافتہ قوم بن جائیں۔

علامہ محمد اقبال ایک عظیم نظریاتی شاعر ہے جس نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور ایک فکر دی، لیکن ہم نے ان کے ساتھ بھی وہی کیا جو قائد کے ساتھ کیا۔ ہم نے علامہ محمد اقبال کی فکر کو چھوڑ کر ان کی شخصیت کی بات کی۔ ان کے رہنے سہنے کو موضوعِ سخن بنایا۔ ہم نے ان کی باتوں کو سطحی طور پر لیا اور صرف مجالس کی حد تک ان کی فکر کو بیان کیا، لیکن عملی طور پر ہم اقبال کی فکر سے کوسوں دور رہے۔

ہماری ایک اور بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہم نے زندہ انسان کو اہمیت نہیں دی، جونہی وہ اس دار فانی سے رخصت ہوا، ہم نے اسے اہمیت دینا شروع کر دی اور اتنی زیادہ کہ ہم اسے دیوتا کے مقام تک لے گئے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ جب وہ زندہ ہو اس وقت اہمیت دی جائے، اس کے نظریے پر کام کیا جائے، اس کی سوچ کو آگے بڑھایا جائے۔ لیکن ہم اس وقت صرف ایک ہی سوچ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس شخصیت کو گرایا کس طرح جائے، اس کے راستے میں روڑے کس طرح اٹکائے جائیں۔ اگر یہ نہ کر سکیں تو بے جا مخالفت شروع کر دیتے ہیں اور ایسی بے ڈھنگی مخالفت جس میں کوئی دم نہیں ہوتا۔ صرف اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے یہ بیڑا اٹھا لیتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور اپنی زندگی اور موت کے بعد ان دونوں پہلوؤں سے گزر رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں نظریاتی اختلاف کے بعد جماعت اسلامی سے الگ ہوئے تو اس وقت سے موت سے ہمکنار ہونے تک بے جا مخالفت کی بھینٹ چڑھتے رہے۔ 24 سالہ نوجوان کی اس وقت کے اسلامی دنیا کے ایک بڑے اسکالر سے اختلاف نے ایک دنیا کو ششدر کر دیا تھا اور وہ نوجوان آخری دم تک اس اختلاف پر قائم رہا، بلکہ اپنی سوچ اور فکر کے ساتھ زندہ رہا۔ آج سب سے زیادہ جس بات کی ضرورت ہے وہ ہے اس 24 سالہ نوجوان کی سوچ اور فکر کو پروان چڑھانے کی، جس کے لئے اس نوجوان نے اپنی زندگی کے 53 سال صرف کئے۔

اب اسلامی دنیا میں اور بالخصوص پاکستان میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ایک فکر اور نظریے کو چھوڑ کر شخصیت پرستی کی جائے۔ دانشورانِ قوم سے گزارش ہے کہ اس غلطی کو دوبارہ نہ دہرایا جائے۔ شخصیت کو چھوڑیں، نظریہ پر بات کریں۔ فکر اور سوچ پر اپنی قلموں کو حرکت دیں، جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد جیسی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔

پہلے ہی اسلامی دنیا میں قحط الرجال کی کیفیت ہے۔ اگر ہم نے ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر اور نظریے کو چھوڑ کر صرف شخصی اوصاف پر بات کی اور کتابوں کے انبار لگائے تو آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی۔

قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا مودودیؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا ابوالکلامؒ اور حکیم محمد سعیدؒ جیسے نام جو زندگی کے ہر میدان میں چاہے وہ سیاست ہو، شاعری ہو، فلسفہ ہو، حکمت ہو دینی و فکری رہنمائی کے لئے ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان اکابرین کی سوچ، فکر اور نظریہ پر کاربند ہو کر ہم اچھے مسلمان، اچھے سیاست دان اور دنیا کے لئے اچھے رہنما بن سکتے ہیں۔ بات صرف شخصیت پرستی سے باہر نکل کر ان کے نظریات پر کاربند ہونے اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی ہے۔ یہ تو ذرا مشکل لیکن ناممکن نہیں، کیونکہ یہ لوگ بھی نظریات پر قائم رہ کر بڑی بڑی شخصیات بنیں ہیں، اور ان شخصیات کے نظریات کا ماخذ صرف دینِ الٰہی ہے، جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی دلیل ہے۔

☆☆☆

کیا داعیِ قرآن کا انتقال ہو گیا؟

مرزا ندیم بیگ

کیا بانیِ تنظیم اسلامی کا انتقال ہو گیا؟ کیا داعی تحریک خلافت فوت ہو گئے؟ کیا عوامی درس قرآن کی تحریک دم توڑ گئی؟ کیا امت مسلمہ کو دین کی جانب بلانے والی آواز چپ ہو گئی؟ کیا اللہ کے دین کی منادی کرنے والا ہمیں ہمیشہ ہمیش کیلئے چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا؟ کیا ہمیں اپنی زندگیوں میں سنت رسول ﷺ سے روشناس کرانے والی دعوت ہمیشہ کے لیے دب گئی؟ کیا ہم معاشرتی، سماجی، معاشی اور سیاسی نظام کی باریکیوں سے روشناس کروانے معلم سے محروم ہو گئے؟ کیا لاکھوں جوانیوں کا رخ دنیا سے دین اسلام کی جانب موڑنے والا علم کا چشمہ ہمیشہ کے لیے سوکھ گیا؟ کیا دنیا کی طاغوتی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کو قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں دیکھ کر بے نقاب کرنے والا مفکر ہمیشہ کے لیے پردہ پوش ہو گیا؟ کیا منہج انقلاب نبوی ﷺ کے مراحل کی باریکیوں اور اس کی عاجزانہ انداز میں پکار لگانے والی شخصیت منوں مٹی تلے سو گئی؟

قارئین محترم! یہ وہ سوالات تھے جو اس وقت میرے دماغ میں گونجنے لگے، جب میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال کی خبر پاکستان سے لاکھوں میل دور دیار غیر میں بیٹھ کر سنی۔ مگر جب جواب کو تلاش کرنے کے لیے اللہ سے مدد کی درخواست کی تو سکون ہوا، اور میرے بے قرار سوالات کو تشفی بخش جوابات اور خلجان ذہنی کو سکون مل گیا کہ دنیا کے وجود تک قرآنی تعلیمات کا فیضان، خدمت قرآن کا مشن، دعوت دین کا فریضہ، منادی الی اللہ کی ذمہ داری اور سنتوں کی برکات کا بے پایاں سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہے گا، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے برپا ہونے سے قبل اللہ کا دین (اسلام) پورے کرۂ ارضی پر غالب ہو کر رہے گا۔ لہٰذا جب تک اللہ کا دین پورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے لیتا، اس وقت تک فریضۂ رسالت اپنی پوری آن اور شان سے جاری اور ساری رہے گا۔ بانیِ تنظیم اسلامی، داعی تحریک خلافت اور صدر موسس انجمن خدام القرآن جناب ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کی زندگی کا یہی مشن تھا۔ اسی مشن کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کو پرآسائش بنانے کی بجائے دنیاوی اعتبار سے انتہائی مشکل زندگی کا انتخاب کیا۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے اپنے ''سنہری پروفیشن'' (ڈاکٹری) کو چھوڑ کر کٹھن اور دشوار راستے کا انتخاب کیا۔ اسی مقصد کے لیے بعض اپنے، پرائے اور بعض جانی دشمن بن گئے۔ اسی مقصد کے لیے دن رات ایک کرنے کی بنا پر کسی نے پھبتیوں کا نشانہ بنایا۔ کسی نے طعن و تشنیع کے نشتر برسائے۔ کسی نے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے مغلظات بھی بکیں۔ کسی نے اُن کے قرآنی اور مسنون پھولوں کا جواب کانٹوں سے دیا۔ کسی نے ان کی دعاؤں کا جواب بددعاؤں کے نشتروں سے دیا۔ غرض بقول فیضؔ:

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار
کڑکے ہیں بہت شیخ بھی برسرِ منبر
گرجے ہیں بہت اہلِ حکم بر سرِ دربار

ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کا مشن رک سکتا ہے اور نہ کبھی تھم سکتا ہے۔ ان کی جلائی ہوئی شمع ضرور بہ ضرور روشن الاؤ بنے گی۔ ان کی شروع کی ہوئی تحریک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بنے گی۔ ان کی قرآنی تعلیمات ''قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن'' کا نقشہ پیش کریں گی، اور ان شاء اللہ پاکستان اسلام کے ظہور کا مظہر بن کر دنیائے اسلام کے لیے مشعل راہ بنے گا اور پوری دنیا میں خلافت کا سورج طلوع ہو گا۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کا مشن جاری ہے۔ وہ اگرچہ اس دنیا فانی سے جا چکے ہیں، گو ان کا وجود ظاہری ہمارے پاس موجود نہیں ہے، مگر ان کا روحانی فیض جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ

قارئین محترم! اس وقت جناب ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کو مرحوم لکھتے ہوئے راقم سمیت لاکھوں عقیدت مندوں کا کلیجہ منہ کو آتا ہے، مگر موت ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ انبیاء ؑ کا اس حقیقت سے واسطہ پڑا ہے تو پھر کوئی اُن کا خادم اور غلام کیسے بچ سکتا ہے۔ اس موقع پر مجھے معروف صوفی شاعر بلھے شاہ کا وہ مصرعہ یاد آ رہا ہے کہ:

''بلھیا اساں مرناں ناہی، گور پیا کوئی ہور''

یعنی شخص ڈاکٹر اسرار احمد تو اس دنیا سے جا چکا ہے، مگر مفکر، مبلغ، داعی، مفسر اور خادم قرآن ڈاکٹر اسرار احمد آج بھی زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک پورا کرۂ ارض اسلام کے نور سے آئینہ پوش نہیں ہو جاتا۔ بقول اقبالؒ:

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم

ذکر چھڑ جائے تو پتھر کا دل بھی رونے لگے!

اُن کا اصل اثاثہ اُن کی فکر، تحریک اور تحریریں ہیں جو عرصہ دراز تک ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی

ارشاد احمد ارشد

انسان بھی کیا چیز ہے، مشت غبار ہے اور خاک کا پتلا ہے۔ یہ بے بس وضعیف اور لاغر وناتواں بھی ہے اور قوت وطاقت وعزم وہمت کا پہاڑ بھی ہے۔ انسان کی اصل پہچان اور شناخت علم سے ہے۔ یہ علم کی طاقت اور ہیبت ہی تھی جس نے فرشتوں کو آدم کی عظمت کے سامنے سرتسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔ علم انسان کو رفعت وبلندی کے اس مقام پر لے جاتا ہے کہ جہاں وہ بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے ؎

میں مسجودِ ملائکہ ہوں، مجھے انسان رہنے دو
فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری توہین ہوتی ہے

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ایک ایسے ہی صاحب علم انسان تھے۔ ان کی ساری زندگی تحصیل علم اور فروغ علم میں صرف ہوئی۔ ان کے علم کا ماخذ ومنبع دو چیزیں تھیں۔ قرآن وحدیث اور علامہ اقبالؒ کی شاعری۔ ان کی تحریر و تقریر اور گفتگو انہی دو چیزوں کے گرد گھومتی۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد اپنے ایک مضمون ''انقلابی تربیت کا نبوی طریقہ'' میں لکھتے ہیں ''قرآن ہی اسلامی انقلاب کا اساسی لٹریچر ہے۔ اسلام کے انقلابی فکر کی اساس یعنی توحید اس کا بنیادی اور اہم ترین موضوع ہے۔ قرآن منبع ایمان اور سرچشمہ یقین ہے جو فطرت انسانی میں مضمر حقائق اور شہادتوں کو قلب کی گہرائیوں سے ابھار کر شعور کی سطح پر لاتا اور اسے ایمان کی صورت دیتا ہے۔'' ایک اور مضمون ''قرآن اور جہاد، اسلام کی دو عظیم ترین حقیقتیں'' کا ایک پیراگراف ملاحظہ ہو'' واقعہ یہ ہے کہ ابتداءً اسلام میں دین کی اصل اساسی اور بنیادی حقیقتیں دو ہی تھیں ایک قرآن حکیم اور دوسرا جہاد فی سبیل اللہ جو جامع عنوان ہے، آپ ﷺ کی اس جدوجہد کے مختلف مدارج ومراحل کا۔ یہ قرآن مجید کی ہی گرج اور کڑک تھی جس نے نیند کے ماروں کو جگایا اور خواب خرگوش کے مزے لوٹنے والوں کو بیدار کیا۔ قرآن کا اصل حاصل ہے ایمان اور یقین، اور ان کا لازمی نتیجہ ہے جہاد اور قتال۔ مردِ مومن کی شخصیت کا جو ہیولیٰ، تخیل اور تصور اُبھرتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لازمی ہے۔'' ڈاکٹر اسرار احمد اپنے ایک مضمون ''قرآن اور مسلمان'' میں لکھتے ہیں ''فہم قرآن کا مرتبہ یہ ہے کہ قرآن کو گہرے غور وفکر کا موضوع بنایا جائے اور اس کے علم وحکمت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کی کوشش کی جائے۔ اس لیے قرآن ھدی للناس ہے۔ قرآن مجید کے علم وحکمت کے بحر زخار سے ہر طالب اپنے ظرف ذہنی اور وسعت کے مطابق ہی حصہ پاسکتا ہے اور اس کتاب منیر کا نور ہدایت ہر شخص پر اس کے افق فکر ونظر کی وسعت کی نسبت ہی سے روشن ہوسکتا ہے۔''

> ہماری موجودہ نسل میں غیرت وحمیت اور عزتِ نفس اور خودداری کے احساسات کے فقدان کی وجہ نفاذِ اسلام کے وعدے سے روگردانی ہے جس کی سزا کے طور پر الا ماشاء اللہ پوری قوم عملی نفاق میں مبتلا ہو چکی ہے

پاکستان کے قیام کے مقاصد اور نظریۂ پاکستان کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف بہت واضح تھا۔ وہ اپنے ایک مضمون ''قیام پاکستان اور مذہبی طبقات کی ذمہ داریاں'' میں لکھتے ہیں ''ہمارا ایمان ہے کائنات میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اذن ربی کے بغیر رونما نہیں ہوسکتا لیکن پاکستان کا قیام تو ہر اعتبار سے ایک نہایت غیر معمولی واقعہ تھا اور دنیا کے نقشے پر اس طرح اچانک اور بالکل غیر متوقع طور پر وقت کی عظیم ترین مسلمان سلطنت کا رونما ہو جانا، یقیناً مشیت ایزدی اور حکمت خداوندی میں کسی بڑی تدبیر کے سلسلے کی کڑی تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ عوام کے تمام طبقات اسے ایک مملکت خداداد اور عطیہ خداوندی سمجھتے ہوئے ماضی کے تمام اختلافات کو بھلا کر کامل توافق وتعاون کے ساتھ اس کی تعمیر وترقی میں لگ جاتے۔ خاص طور پر تمام مذہبی طبقات کا تو فرض عین تھا کہ خواہ اس سے قبل وہ پاکستان کے حامی رہے یا مخالف اور خواہ اس سے پہلے صرف تعلیمی وتبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے تھے، خواہ اپنے اپنے خیال اور طریقہ کار کے مطابق پورے ہندوستان میں اسلام کے غلبے کی جدوجہد کر رہے تھے، قیام پاکستان کو قدرت کا اشارہ سمجھ کر اب اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کرتے اور بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کا شعور حاصل کر کے اپنی مساعی کا رُخ پاکستان کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ بنانے کی مثبت تعمیری جدوجہد کی جانب موڑ دیتے۔'' ڈاکٹر صاحب اپنے ایک مضمون ''پاکستان کی بقا اور اسلام'' میں لکھتے ہیں ''ہماری موجودہ نسل میں غیرت وحمیت اور عزتِ نفس اور خودداری کے احساسات کے فقدان کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی۔ سزا کے طور پر الا ماشاء اللہ پوری قوم عملی نفاق میں مبتلا ہو چکی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تحریک پاکستان کے عوامی اور جذباتی دور میں پورا برصغیر اس نعرے سے گونج اُٹھتا تھا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ'' تحریک پاکستان کے زعماء کے صریح اور بانگ دہل اعلانات اور بیانات اور جمعہ وعیدین کے عظیم اجتماعات میں کروڑوں مسلمانوں نے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور عہد کیا کہ اے اللہ! ہم اس دوہری غلامی سے نجات پا کر صرف تیرے بندے بن کر رہیں گے اور تیرے نبی ﷺ کے دین پر عمل پیرا ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی عہد ومیثاق کا نتیجہ تھا کہ دیکھتے ہی

زنجیریں کٹتی چلی گئیں۔ بقول اقبال ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اس مضمون میں آگے چل کر ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں: ''پاکستان نہ صرف ہمارا وطن ہے اور نہ صرف یہ کہ اس وقت ہم اس میں آباد ہیں بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کا مستقبل بھی اسی سے وابستہ ہے۔ یہ باعزت ہے تو ہم بھی باعزت ہیں اور خدانخواستہ یہ ذلیل ہو جائے تو اصل ذلت ہماری ہوگی۔ یہ آزاد ہے تو ہم آزاد ہیں۔ یہ غلام ہو گیا تو اصل غلام ہم ہوں گے، یہ خوشحال ہوگا تو ہم خوشحال ہوں گے اور اس پر تنگی آئی تو اس تنگی کا شکار ہم ہوں گے، گویا یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیرتے ہیں اور ڈوب گئی تو ہم غرق ہو جائیں گے۔ لہٰذا ہر پاکستانی کے لیے لازم ہے کہ وہ پاکستان کی عزت بقا اور اس کے استحکام کے مسئلے پر پوری سنجیدگی کے ساتھ سوچ بچار کرے''۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے کبھی مایوس ہونا سیکھا بھی نہ تھا۔ حالات جیسے بھی ہوں وہ صدائے حق بلند کرتے رہے اور لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ''آنے والے دور کی ایک واضح تصویر'' میں لکھتے ہیں ''الغرض قیام قیامت اور دنیا کے خاتمے سے قبل کل روئے ارضی پر وہ دور سعادت یقیناً طلوع ہو کر رہے گا جس میں اللہ ایمان اور عمل صالح کی شرائط پوری کرنے والے مسلمانوں کو لازماً زمین کی خلافت اسی طرح عطا فرمائے گا جس طرح پہلوں کو عطا فرمائی''۔

آج ڈاکٹر اسرار احمد ہم میں نہیں رہے بلکہ وہ اس راستے پر جا چکے ہیں جس میں ہر ذی روح نے جانا ہے۔ ان کا اصل اثاثہ اور ورثہ ان کی فکر انگیز تحریک و تحریریں ہیں جو عرصہ دراز تک ہماری راہنمائی کرتی رہیں گی۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنی کتاب ''جنہیں میں نے دیکھا'' میں پاکستان کی مرحوم شخصیات کے حوالے سے ایک بڑا خوبصورت شعر لکھا ہے ؎

جن کی یادوں سے رگ جاں میں دکھن ہونے لگے
ذکر چھڑ جائے تو پتھر کا دل بھی رونے لگے

آج یہ شعر ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت پر پوری طرح منطبق ہو رہا ہے۔ (بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')

✿✿✿

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اور ان کی خدمات

مجیب الرحمٰن شامی

ممتاز عالمِ دین، مذہبی رہنما، خلافت اسلامیہ کے داعی، مرکزی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد گزشتہ دنوں 78 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انہوں نے عنفوان شباب سے لے کر تا دمِ رخصت زندگی کے کم و بیش 60 برس اقامتِ دین کی جدوجہد میں بسر کر دیئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم 1932ء میں مشرقی پنجاب (بھارت) کے شہر حصار میں پیدا ہوئے اور 1954ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے گریجویشن کی۔ 1965ء میں انہوں نے یونیورسٹی آف کراچی سے اسلامیات میں ماسٹر کی ڈگری بھی حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی میں ڈاکٹر صاحب اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل ہوئے۔ قیام پاکستان سے قبل انہوں نے مختصر مدت کے لیے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی اور تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا۔ زمانہ طالب علمی کے بعد انہوں نے جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کر لی کہ اسلامی جمعیت طلبہ میں ان کی شمولیت بھی مولانا مودودیؒ کے افکار ہی کی مرہون منت تھی۔

> **تحریک کی سی صورت میں مطالعہ قرآن کو فروغ دینے کی کاوشیں**
>
> **ڈاکٹر صاحب مرحوم کی سب سے بڑی خدمت ہے**

خداداد ذہانت، قدرتِ کلام، تقریر و تحریر کی صلاحیت اور بے پناہ محنت کی بدولت ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کو جلد ہی جماعت اسلامی کی صفِ اوّل کی شخصیات میں شمار کیا جانے لگا۔ لیکن قبل اس سے کہ وہ مولانا مودودیؒ کی اسلامی تحریک میں بہت اہم کردار ادا کرنے کے قابل ہوتے، اقامتِ دین اور نفاذِ اسلام کے لیے جدوجہد کی نوعیت اور تحریک کے طریقِ کار کے بارے میں اختلاف رائے نے ان کے اور جماعتِ اسلامی کے راستے جُدا کر دیئے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ یہ اختلاف مولانا مودودیؒ کی قیادت میں جماعت اسلامی کے اس فیصلے سے پیدا ہوا کہ تبدیل شدہ حالات میں انتخابی سیاست نفاذِ اسلام کا ذریعہ بن سکتی ہے، لہٰذا تحریک اسلامی کو اس میدان میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے اس فیصلے سے اختلاف کی بنا پر جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس بات کی داد دی جانی چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اختلاف رائے کو علمی و فکری حدود سے باہر نہیں جانے دیا۔ انہوں نے شائستگی کے ساتھ اپنا موقف بیان کیا اور اسے کتابی صورت میں شائع بھی کر دیا۔ البتہ جماعت اسلامی سے علیحدگی کے معاملے میں انہوں نے اپنے فکری رہنما مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے ردعمل کا بھی انتظار نہ کیا...... غالباً یہ جوانی اور جوشِ کردار کا اثر تھا۔ بہرحال انہوں نے رخصت کی راہ اختیار کرنے کی بجائے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد مرحوم نے کسب معاش کے لیے لاہور میں ایک کلینک قائم کیا، لیکن جلد ہی ان کے بھائیوں نے (جو وسیع کاروبار کے مالک ہیں) انہیں فکر معاش سے آزاد کر دیا، تا کہ وہ طبیب جسمانی سے بڑھ کر طبیب روحانی کا کردار ادا کر سکیں اور یکسوئی کے ساتھ اپنا پورا وقت اقامتِ دین کے لیے وقف کر سکیں، لیکن ڈاکٹر مرحوم اپنے پختہ عزم، للّٰہیت اور سخت محنت کے باوجود ایسی بڑی جماعت پیدا نہ کر سکے جس کی اخلاقی ساکھ اور منظم

سیاسی قوت، قوم کی سوچ اور حکمرانوں کے فیصلوں پر اثر انداز ہوسکتی۔

1972ء میں ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے ''مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے نام سے ایک تنظیم کا آغاز کیا۔ رجوع الی القرآن کی اس تحریک سے پہلے ہی ڈاکٹر مرحوم درس قرآن کا سلسلہ شروع کر چکے تھے۔ درسِ قرآن کا یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا۔ لاہور کے بعض مرکزی مقامات پر دروسِ قرآن نے رمضان کی راتوں میں روح پرور خوبصورتی اور دلکشی پیدا کردی۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی اس کاوش نے لاہور کے اَن گنت پڑھے لکھے نمازیوں کو باقاعدہ مطالعہ قرآن کی طرف راغب کیا۔ متعدد گھرانے ٹیلی فونک رابطے کے ذریعے دروسِ قرآن کی محافل کا اہتمام اپنے گھروں ہی میں کرنے لگے۔ مطالعہ قرآن کے حوالے سے شناسائیاں، دوستیوں میں بدلنے لگیں۔ یاد رہے یہ تبدیلی اس معاشرے میں دیکھی جارہی تھی جہاں صدیوں بغیر سمجھے قرآن مجید پڑھنے کو تلاوتِ قرآن کا نام دیا جاتا ہے اور بعض مذہبی حلقے اشارتاً قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے سے منع بھی کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات میں اہلِ ایمان اور کفر کرنے والوں سے حیرت کے ساتھ پوچھا جاتا ہے آخر تم اللہ کی نشانیوں اور قرآن کی آیات پر غور کیوں نہیں کرتے؟ کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ تلاوت کرنے والے 80 فیصد سے زیادہ لوگ اس لیے اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ انہیں کیا نصیحت کی گئی ہے یا ان سے کیا سوال پوچھا گیا ہے۔

لاہور میں قیامِ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں سنہری مسجد میں مولانا غلام مرشد درس قرآن دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد مولانا مودودیؒ باقاعدگی سے قلعہ گوجر سنگھ کی مسجد مبارک میں ہفتہ وار درس دیتے رہے۔ اس میں ایک ہزار سے زیادہ افراد شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کے بعد درس کا یہ سلسلہ ڈاکٹر اسرار احمد نے شروع کیا جو بہت زیادہ مقبول ثابت ہوا۔ وہ ہفتے کے مختلف دنوں میں شہر کے مختلف مقامات پر درس دیتے رہے۔ یوں شہر کے بیشتر علاقوں کے لوگوں کو ان میں شریک ہونے کا موقع میسر آیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے درسِ قرآن کا سلسلہ لاہور تک محدود نہیں رہا۔ رفتہ رفتہ کوئٹہ، کراچی اور راولپنڈی سمیت متعدد شہروں میں ان کے خطاب اور دروسِ قرآن کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک تحریک کی سی صورت میں مطالعہ قرآن کو فروغ دینے کی کاوشیں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ خدمت قبول فرمائے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں کو اسے جاری رکھنے کی توفیق اور طاقت عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اس بات کے حق میں نہیں تھے کہ اسلامی تحریکیں منتخب ایوانوں کے انتخابات میں حصہ لیں، لیکن ملکی سلامتی کے لیے وہ شدت سے جمہوریت کے حامی تھے۔ وہ پاکستان کی سلامتی اور ترقی کے لیے جمہوری نظام کو ناگزیر قرار دیتے تھے جبکہ اسلامی تحریکوں کے لیے اسے سرمائے اور وقت کا ضیاع قرار دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی تحریکوں کو کم و بیش ان مراحل سے ضرور گزرنا ہوگا جس سے ایران کی مذہبی قیادت اور تحریکوں کو گزرنا پڑا۔ بالفاظ دیگر ان کا خیال یہ تھا کہ اقامتِ دین کے لیے انتخابی سیاست کی طرح معروف ''انقلابی'' عمل بھی حصولِ مقصد کا ذریعہ نہیں بن سکتا بلکہ انقلاب کے نبوی منہج کو اختیار کرنا ہوگا۔ تاہم مراعات یافتہ طبقے کو اکھاڑنے کے لیے آخری مرحلوں میں قوت کے استعمال کے امکانات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

عام طور پر مذہبی اور سیاسی تنظیمیں تو ہمات، نمود و نمائش اور اسراف پر مبنی رسموں کو اس قابل ہی نہیں سمجھتیں کہ ان پر توجہ دی جائے۔ شادی بیاہ کی رسوم اس کی ایک نمایاں مثال ہیں جن کی وجہ سے نکاح کو دشوار بنا دیا گیا ہے۔ شادی کے موقع پر بارات کے لیے لنچ یا ڈنر کا اہتمام اس کی ایک مثال ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس رسم سے نجات دلانے کے لیے مسجد میں نکاح کو رواج دیا...... اور غریب اور متوسط طبقے کے خاندانوں کو ایک بھاری مالی بوجھ سے بچالیا۔ مذہبی جماعتوں کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ مثال قابل تقلید ہونی چاہیے۔

مطالعہ قرآن وفہم قرآن کو فروغ دینے کے حوالے سے اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مرحوم ڈاکٹر اسرار احمد علامہ اقبالؒ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ وہ اپنے خطبات میں آیات قرآنی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے اکثر اشعار اقبالؒ سے مدد لیا کرتے اور کہتے کہ ان کے نزدیک اقبالؒ فہم قرآن میں اپنے ہم عصر علماء کے مقابلے میں سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ جن آیات کی تشریح اور مفہوم کے گہرے ادراک کے لیے انہوں نے علامہ اقبالؒ کے اشعار سے مدد لی، ان کو ایک جلد کی صورت میں جمع کردیا جائے۔

اس بات کا ذکر کیے بغیر مرحوم کا ذکر ادھورا رہے گا کہ وہ نہایت محنتی انسان تھے اور وقت کا لحہ لحہ خدا کی امانت سمجھ کر بسر کرتے تھے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے بیہودہ باتوں کو معمولات میں شامل کیا جارہا ہے۔ وقت کو برباد ہونے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ڈاکٹر مرحوم جیسے خدادوست اور پرہیزگار لوگوں کی پیروی کی جائے اور ان کے عمل سے روشنی حاصل کی جائے۔ علم و ادراک میں ڈاکٹر مرحوم کا مقام کیا تھا اور کیا نہیں، اس سے قطع نظر ہم سب اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ کی رضا اور اقامتِ دین کے لیے وقف کردی تھی۔ بعض معمولی معاملات میں الجھنے کے باوجود بحیثیت مجموعی اپنے نصب العین پر نظر رکھی اور عمر بھر اس کے حصول کی خاطر اپنی صلاحیتیں صرف کیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی موت سے پیدا ہونے والے خلاء کو پُر فرمائے۔ آمین (بشکریہ روزنامہ ''پاکستان'')

☆☆☆

ستارے کا پیغام

(علامہ اقبال)

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کہ اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ اہل ہند کی نظر میں

مولانا شیخ رحیم الدین

بانی تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے جب شعور کی آنکھ کھولی اُس وقت پوری دُنیا میں اُمتِ مسلمہ قعرِ مذلت میں گری ہوئی تھی اور چار سُو اس پر ذلت و نکبت چھائی ہوئی تھی۔ اُس وقت برِعظیم پاک و ہند میں حکیم الامت علامہ محمد اقبال اور مولانا الطاف حسین حالی کا طوطی بول رہا تھا اور وہ مسلمانانِ عالم کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اے مسلمانو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اس ذلت و رسوائی کا سبب کیا ہے؟ کیا ہم وہی قوم نہ تھے جو ساری دنیا میں تہذیب و تمدن کو فروغ دیتے تھے' اخلاقِ عالیہ کی بے مثال و بے نظیر روایات ہم قائم کرتے تھے' جوانمردی و جانفشانی کے چشمے ہم سے پھوٹتے تھے' جہاں بانی و حکمرانی کے طور طریقے دنیا کو ہم سکھاتے تھے' اختراعات و ایجادات کا ایک سیلِ مسلسل ہمارے ہاتھوں رواں تھا۔ اِن عظیم الشان روایات کے امین ہونے کے باوجود آج ہماری یہ حالت زار کیوں ہے؟ بقول غالب ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

علامہ مرحوم اس ساری صورت حال کا تجزیہ اور اس کا حل اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

علامہ مرحوم کا یہ شعر نوخیز ''اسرار احمد'' کے ذہن میں شعوری طور پر پیوست ہو گیا اور آپ نے اوائل عمر ہی میں یہ فیصلہ کیا کہ میں قرآن حکیم کی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ نے نہ کسی مدرسہ کا رخ کیا نہ کسی دار العلوم میں داخلہ لیا' بلکہ سکول اور کالج میں تعلیم پائی' اور کالج کی سطح پر بھی ادب' فلسفہ یا عمرانیات و اسلامیات کے طالب علم نہ رہے بلکہ سائنس اور طب کی تعلیم میں مصروف رہے۔ عربی زبان سے آپ کو بچپن ہی سے شغف تھا۔ چنانچہ سکول کی تعلیم کے دوران آپ نے عربی بطور اختیاری مضمون پڑھی تھی۔ بعد ازاں آپ کی علمی استعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن حکیم اور مختلف تفاسیر کا مطالعہ شروع کیا' جس سے ذہن کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور آپ کے دروس کے چرچے ہونے لگے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد تو پورے ملک میں آپ کے دروس ہونے لگے۔

آپ کے دروسِ قرآنی میں علامہ اقبال کا سوزِ دروں' فراہی و اصلاحی کا تدبر و تعمق' ابو الاعلیٰ و ابو الکلام کا غلبہ و اقامتِ دین کا حرکی تصور موجزن نظر آنے لگا۔ نیز ادبیت کی چاشنی سے معمور یہ دروس شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے رسوخ فی العلم کا پرتو بننے لگے۔ اس پر مستزاد آپ کے منطقی و استدلالی انداز درس و خطاب' الفاظ کی ادائیگی کے زیر و بم' چشم و ابرو کے اشارے اور موقع و محل کی مناسبت سے فارسی و اردو کے موزوں اشعار کے استعمال سے آپ کے درسِ قرآن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنا قبولِ عام بخشا کہ وہ ''عوامی درسِ قرآن'' کے اُس خواب کی عملی تعبیر بن گیا جو کہ لگ بھگ 70'80 سال قبل حضرت شیخ الہندؒ نے دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ کے دروس و خطابات میں سامعین و ناظرین پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی تھی' بیس بیس ہزار لوگ ڈھائی ڈھائی گھنٹہ کے دروسِ قرآن میں شریک ہوتے اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ذہنی استعداد کے مطابق حصہ وصول کرتا تھا۔

1972ء میں محترم ڈاکٹر صاحبؒ نے انتہائی عاجزی اور انکساری سے اپنے رب کے حضور یہ التجا پیش کی کہ ''اے میرے ربّ! اب میری زندگی کے روز و شب صرف تیری آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیمات کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خالص اسلامی انقلاب برپا کرنے کی جدوجہد کے لیے وقف ہوں گے۔'' یہ عہد و پیمان کرتے ہوئے موصوف کے ذہن میں یہ بات بالکل واضح تھی کہ ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ﴾ کی سخت کڑی شرائط کو مجھے امکانی حد تک پورا کرنا ہوگا اور اگر میں نے ربِّ کریم کی تائید و توفیق سے یہ پوری کر لیں تو پھر لازماً ﴿فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا ۝﴾ (الاسراء) کے مژدۂ جانفزا کا پروانہ بھی ربِّ کریم کی جانب سے جاری ہو جائے گا۔

پھر ایسا ہی ہوا کہ موصوف نے اپنے جسم و جاں کی توانائیاں اپنے عہد و پیمان کے مطابق جھونک دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے دروسِ قرآن کا چرچا پورے ملک کے طول و عرض میں ہونے لگا۔ جس طرح خوشبو اور انقلاب کو کسی ایک جگہ مقید نہیں کیا جا سکتا اسی طرح توحید و رسالت اور قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی اور انقلابی فکر کو کسی ایک خطۂ زمین یا جغرافیائی حدود میں پابند سلاسل نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی سب کچھ محترم ڈاکٹر صاحب کے خطباتِ قرآنی اور قرآن کے انقلابی فکر کے ساتھ ہوا۔ یہ دعوتِ قرآنی' آج پوری دنیا میں اردو بولنے اور سمجھنے والوں تک جو کل مسلم آبادی کا قریباً ایک تہائی بنتے ہیں' پہنچ چکی ہے۔

ان سطور میں میں صرف اپنے مشرقی پڑوسی ملک ''انڈیا'' میں ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کے اثرات و مشاہدات قلمبند کر رہا ہوں۔

خوش قسمتی سے اکتوبر 1989ء میں مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ پندرہ دن ہندوستان کے مختلف شہروں میں گزارنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اُس وقت مجھے شدت سے احساس ہوا کہ یہاں لوگ ڈاکٹر صاحب سے کس قدر متعارف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جُوق در جُوق اپنے اہل و عیال کے ساتھ پروگراموں میں شرکت کے لیے آتے ہیں۔ اسی دوران حیدر آباد دکن میں کل ہند مجلس تعمیر ملت کے زیر اہتمام ''یوم رحمۃ للعالمین ﷺ'' کے عنوان سے بارہ ربیع الاول کو ایک جلسہ عام کا اہتمام تھا۔ اس جلسہ کے واحد مہمان اور مرکزی مقرر امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تھے۔ اس جلسہ میں ایک محتاط اندازے کے مطابق کم از کم ڈیڑھ لاکھ افراد موجود تھے'

جنھوں نے آپ کا پورا خطاب اس قدر انہماک اور توجہ سے سنا جیسے مسحور ہو گئے ہوں۔ اسی طرح آپ کے جتنے پروگرام بھی ہوئے وہاں پر حاضری انتظامیہ کے اندازوں سے کئی گنا بڑھ کر رہتی تھی۔ ہر سامع اجتماع کے بعد آپ سے مزید تعارف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہاں پر ایسے لوگوں سے بڑی تعداد میں ملاقات رہی جو آپ کے دروس کے کیسٹس سن سن کر ازبر یاد کر چکے تھے۔

اگست 2004ء میں انڈیا کے دارالحکومت دہلی میں ایک عظیم الشان بک فیئر کا اہتمام کیا گیا تھا' جس میں انڈیا اور بیرونِ انڈیا کے پبلشرز حصہ لے رہے تھے۔ انجمن خدام القرآن لاہور کو بھی اس بک فیئر میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی۔ انجمن کی انتظامیہ نے سوچ بچار کے بعد اس میں شرکت کا فیصلہ کیا اور مجھے ایک دفعہ پھر دہلی جانے کا موقع میسر آیا۔ اس دفعہ یہاں جو ماحول دیکھا وہ حیران کن تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب یہاں کے ہر مسلم گھرانے میں موجود ہیں اور لوگ آپ کے دروسِ قرآنیہ اور خطاباتِ قرآنیہ کو دن میں کئی کئی مرتبہ سنتے ہیں۔ پھر یہ کہ سننے والوں میں ہر مسلک و مشرب کے لوگ شامل ہیں' اور ان کی عقیدت و محبت کا عالم یہ ہے کہ جب وہ ہمارے سٹال پر آتے تھے تو جانے کا خیال دل سے نکال چکے ہوتے تھے۔ وہ مجھ سے موصوف کے متعلق معلومات کا خزینہ جمع کرنا باعث سعادت سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھے صبح سے رات گئے تک ان حضرات کے جوابات دیتے ہوئے آواز بند ہو جایا کرتی تھی مگر ان کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔

نئی دہلی میں سید عرب شاہ صاحب کے نام سے ایک صاحب مشہور و معروف ہیں۔ موصوف میوزک اور فلم وغیرہ کی سی ڈیز بنانے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آپ نے اپنے گھر ہی میں اسٹوڈیو بنا رکھا تھا اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ کسی حوالہ سے ایک دفعہ انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کا درسِ قرآن سن لیا۔ بس پھر کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو قرآن کی نشر و اشاعت کے لیے کھول دیا۔ انہوں نے اپنے گزشتہ کاروبار کو خیر باد کہا' لاکھوں روپے کا نقصان اُٹھایا اور اپنی جسم و جان کی تمام توانائیاں صرف اس کام میں لگا دیں کہ ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن کی سی ڈیز و ڈی وی ڈیز لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں تمام انڈیا میں پھیلا دیں۔ اب ان کا اسٹوڈیو اور سیل پوائنٹ محبانِ قرآن کا مرجع ہے۔ میں نے سید عرب شاہ صاحب کو دن کے چوبیس گھنٹوں میں صرف دو تین گھنٹے سوتے دیکھا ہے۔ ان کے اس کام میں ان کے تمام اہل خانہ دن رات مصروف رہتے ہیں اور کسی کے چہرے پر تھکان وتعب کا نشان تک نہیں ہوتا۔ یہ صرف اور صرف قرآن کا اعجاز ہے۔

سید عرب شاہ صاحب سے شہر بریلی کے ایک متمول تاجر نے' جن کا تعلق ایک سکھ گھرانے سے ہے' ڈاکٹر صاحب کے بیان القرآن کی 108 سی ڈیز کا سیٹ خریدا۔ اس کی پہلی سی ڈی سننے کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ تو تمام خاندان والوں کے سننے کی چیز ہے۔ دوسرے دن اپنے پورے کنبہ کو کھانے پر بلایا' جو بقول ان کے قریباً 50 افراد پر مشتمل تھا۔ کھانے کے بعد کہا کہ ہم آپ کو ایک چیز دکھاتے ہیں۔ سب نے سمجھا نہ جانے کون سی فلم ہے۔ جب انہوں نے سی ڈی لگائی تو تمام افراد دم بخود سننے لگے اور پھر اختتام پر کہنے لگے کہ ہم ہر روز جمع ہو کر یہ مکمل سیٹ سنیں گے۔ یہ ساری باتیں اس سکھ تاجر نے خود سید عرب شاہ صاحب کو فون پر بتلائیں۔

سید عرب شاہ صاحب نے مجھے ایسے بیسیوں محیر العقول واقعات بتلائے کہ مسلمان تو مسلمان' سینکڑوں غیر مسلم حضرات نے خطباتِ قرآنیہ یا درسِ قرآن کی ایک کیسٹ سنی اور پھر تمام کی تمام دستیاب کیسٹس اور سی ڈیز خرید لیں' اور بعد ازاں یہ خبر دی کہ ہم نے یہ تمام کیسٹس اپنے اعزہ و اقارب میں سننے کے لیے تقسیم کر دی ہیں اور وہ اسے سن رہے ہیں۔

دہلی کے ایک معزز گھرانے کے ایک نوجوان کی دعوتِ ولیمہ کے موقع پر ڈاکٹر صاحب کا ایک خطاب جو کہ دو سی ڈیز پر مشتمل ہے' پانچ ہزار کی تعداد میں بلاتفریق مذہب و ملت مہمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس طرح یہ دعوتِ قرآنی دہلی کی ایلیٹ کلاس میں پھیل رہی ہے' جس میں سیاسی زعماء' تاجر برادری نیز پنڈت اور پادری حضرات بھی شامل ہیں اور جبہ و دستار کے حاملین بھی۔ یہ سلسلہ اس طرح چل نکلا ہے کہ مختلف مواقع پر ڈاکٹر صاحب کے مختلف خطابات کی سی ڈیز تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔

بک فیئر میں ہمارے سٹال سے چند گز کے فاصلہ پر ایک غیر مسلم جو اعلیٰ تعلیم یافتہ' چہرے بشرے سے شریف النفس نیز وضع قطع سے متمول معلوم ہوتے تھے' گزر رہے تھے۔ اُس وقت ''تعارفِ قرآن'' کے عنوان سے محترم ڈاکٹر صاحب کی سی ڈی چل رہی تھی۔ جونہی ان کی نظریں ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر پڑیں اور ڈاکٹر صاحب کی آواز ان کے کان میں پڑی وہ وہیں صامت و ساکت ہو کر کھڑے ہو گئے اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگے۔ پھر ایک ایک قدم ہمارے سٹال کی طرف بڑھنے لگے اور پھر مجھ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے ڈاکٹر صاحب کا تعارف کروایا تو وہ فرمانے لگے ''ان کے گلے میں تو بھگوان بول رہا ہے''۔ میں نے کرسی پیش کی تو وہ بیٹھ گئے' وہ سی ڈی مکمل ہونے پر دوسری لگانے کی فرمائش کی اور وہ بھی سن لی۔ اس دوران ان کے اہل خانہ آ آ کر مطالبہ کرتے رہے کہ ہم فارغ ہو گئے ہیں' گھر چلیں' مگر وہ ان کو ٹالتے رہے اور کہتے رہے کہ کچھ اور خریداری کر لیں۔ بالآخر ان کا ڈرائیور آیا اور کہنے لگا صاحب جی بہت دیر سے گاڑی میں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں' تب وہ بادلِ نخواستہ جانے کے لیے تیار ہوئے۔ میں نے 108 سی ڈیز پر مشتمل 'بیان القرآن' کا سیٹ ہدیۃً پیش کیا کہ یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے تحفہ ہے۔ اس پر موصوف نے فرمایا: ''یہ میں ضرور لوں گا مگر پہلے اس کا کیش میمو بنا دیں''۔ اور جاتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے ''میں اس کا ایک ایک لفظ سنوں گا' یہ تو بھگوان کا کلام ہے''۔

دہلی کے ایک گرامر سکول کی پرنسپل صاحبہ سٹال پر تشریف لائیں۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے خطبات و دروس سے بے حد متاثر تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے اسکول کی انتظامیہ کو بڑی جرح وقدح کے بعد اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ اسکول کی اسمبلی میں روزانہ نصف گھنٹہ ڈاکٹر صاحب کا ترجمۂ قرآن سنایا جائے اور ہم اس کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے 108 سی ڈیز کے دو سیٹ خریدے اور دوسرے دن میرے موبائل پر یہ خوشخبری سنائی کہ آج ہم نے اسمبلی میں نصف گھنٹہ درسِ قرآن سنایا ہے' تمام اساتذہ و طلبہ نے بے حد دلچسپی و دلجمعی سے سنا ہے اور سب نے از خود اس سلسلے کو جاری رکھنے کی فرمائش کی ہے۔

یہ ان سینکڑوں مشاہدات میں سے چند ایک تھے جو قلمبند کیے ہیں' ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!

بک فیئر سے واپسی پر میں نے محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی خدمت عالیہ میں اپنے مشاہدات و تاثرات پیش کیے تو موصوف کی خوشی وانبساط دیدنی تھی۔ اپنی کاوشوں کے نتائج سن کر فرطِ جذبات سے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ موصوف کے یہ آنسو بارگاہِ خداوندی میں خود خداوندِ عالم سے یوں ہم کلام ہوتے ہوں گے:

> ''اے میرے مولا! تو نے مجھے جو صلاحیتیں عطا کی تھیں اور جس قوتِ بیانیہ سے مالا مال کیا تھا میں نے اسے امکانی حد تک تیرے کلام کو تیری مخلوق تک پہنچانے میں لگا دیا ہے۔ اور یہ تیرا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس کے ثمرات بھی تیرے فضل وکرم سے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں!''

صنم خانۂ ہند میں دعوتِ قرآنی کی اتنی پذیرائی اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہاں سے قدرت کچھ کام لینا چاہتی ہے۔ اس خطے کی چار سو سالہ تاریخ بھی اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ صنم خانۂ ہند میں شمع توحید' ان شاء اللہ' جلد جگمگانے والی ہے' اور وہ دن اب دور نہیں جب ہندوستان کے اعلیٰ ذات کے ہندو اسلام قبول کر لیں گے۔ اور یہ کسی دیوانے کی بڑ نہیں' اس بات کی پیشین گوئی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ آج سے صدیوں پہلے فرما چکے ہیں۔

جن خواتین و حضرات کو محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے دروسِ قرآنیہ اور خطباتِ قرآنیہ کے ذریعہ سے ہدایت ملی ہے اور جن کو یہ احساس ہے کہ یہ ہدایت کتنی بڑی دولت ہے اور اسی اعتبار سے ان کے قلوب واذہان میں موصوف کی عزت وعظمت کے ساتھ محبت وعقیدت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر موجزن ہیں' وہ آج دن کے آٹھوں پہر ہاتھوں کو اٹھا کر جھولیوں کو پھیلا کر ربّ کریم کی بارگاہِ اقدس میں یوں دُعا کرتے ہیں: اے اللہ! ڈاکٹر صاحب کی مغفرت اور اُن کے درجات کو بلند فرما اور قرآن وسنت پر مبنی آپ کے پیغام کو چار دانگ عالم میں پھیلا دے' اور جس طرح ہمیں یہ ہدایت ملی ہے اسی طرح سب لوگوں کو مل جائے۔ آمین!

ڈاکٹر صاحب وہاں چلے گئے ہیں جہاں ہم سب کو جانا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس دعوت کی جو شمع انہوں نے جلائی ہے اس کو شعلۂ جوالہ بنا دیا جائے۔ قدرت نے تو بہرحال یہ کرنا ہی ہے' لیکن کتنے خوش نصیب اور خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو اپنی اعلیٰ صلاحیتیں اس اعلیٰ کام میں لگا دیں گے' اور وہ جو اپنی چشمِ سر سے حالات کے اس تغیر کو ملاحظہ فرمائیں گے کہ ؎

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار
نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آ ملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ ''فرقان'' سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ ''قرآن'' سے!!

داعی رجوع الی القرآن' بانی تنظیم اسلامی
صدرِ مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ
کا شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن
بعنوان
بیانُ القرآن
جو کہ مختلف ٹی وی چینلز سے سیٹلائٹ کے ذریعے نشر ہو کر پوری دنیا میں دیکھا اور سنا گیا ہے
اور جس کے ذریعے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی آئی ہے
کتابی صورت میں شائع ہونا شروع ہو گیا ہے
انجمن خدام القرآن سرحد' پشاور نے اس ''بیانُ القرآن'' کا حصہ اوّل جو سورۃ الفاتحۃ اور سورۃ البقرۃ' مع تعارفِ قرآن پر مشتمل ہے' شائع کیا ہے
☆ عمدہ طباعت ☆ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ☆ امپورٹڈ پیپر
☆ صفحات: 520 ☆ قیمت: 400 روپے
● انجمن خدام القرآن سرحد' پشاور
A-18 ناصر مینشن' ریلوے روڈ نمبر 2' شعبہ بازار پشاور' فون: (091)2584824,2214495
● مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: (042)5869501-3

”ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے“

انجینئر نوید احمد، کراچی

مورخہ 14 اپریل 2010 کو عظیم مفکر قرآن اور بے لوث خادمِ دین ڈاکٹر اسرار احمد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اِن سطور کے راقم کو تقریباً 25 برس محترم ڈاکٹر صاحب کی رفاقت کی سعادت ملی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن اور خطابات سے بھرپور استفادہ کا ہی نہیں بلکہ اُن کی عملی زندگی کے معمولات کو انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بلاشبہ دورِ حاضر میں محترم ڈاکٹر صاحب ایک بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے جن اوصافِ حمیدہ نے راقم کو بہت متاثر کیا ان میں سے بعض کا تذکرہ قارئین کے پیشِ خدمت ہے:

ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی خوبی اُن کے قول و فعل کی مطابقت تھی۔ اس کا بین ثبوت ہے کہ اُن کے جملہ متعلقین نے اُن کے ساتھ بیعت سمع و طاعت کا عہد و پیمان کیا۔ ان متعلقین میں اُن کی اہلیہ، چاروں بیٹے، پانچوں بیٹیاں، پانچوں داماد، چاروں بھائی اور دیگر کئی اقارب شامل ہیں۔ شرعی پردہ، رزقِ حلال، دنیا سے کم سے کم تعلق، سادگی، دین کے لیے مال و جان کی قربانی کا جو درس اُنہوں نے لوگوں کو دیا اس پر سب سے پہلے خود عمل پیرا ہونے کی مثال پیش کی۔

ڈاکٹر صاحب انتہائی بے باک اور دوٹوک بات کہنے سے ذرا نہیں جھجکتے تھے۔ حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق کہا۔ سیکولر سوچ رکھنے والے دانشوروں کے سامنے بڑے اعتماد سے اسلام کو بحیثیتِ دین یعنی مکمل نظامِ زندگی کے طور پر پیش کیا، اپنے مسلک کو ہی کل اسلام سمجھنے والوں کی مضبوط دلائل سے اصلاح کی اور نیکی کا محدود تصور رکھنے والوں کی واشگاف الفاظ میں تردید کی۔

ڈاکٹر صاحب دنیا میں واقعتاً ((کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل)) یعنی دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی ہو یا راستہ عبور کرنے والے مسافر“ کے مصداق مسافر کی طرح رہے۔ کوئی اثاثہ جات، جائدادیں، بینک بیلنس نہیں بنایا۔ عقیدت مندوں نے جو عمارات ہدیہ کی تھیں سب کی سب دینِ حق ٹرسٹ کے نام منتقل کر دیں۔ عرب شیوخ سے مالی تعاون کی پیشکش کو قبول نہیں کیا، ملکی حکمرانوں کے عطیات لینے سے انکار کر دیا اور عوام سے مالی تعاون کی اپیل سے حتی المقدور اجتناب کیا۔ وزارت اور اہم ملکی مناصب قبول کرنے سے معذرت کی۔ یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں اور عوام کے سامنے حق بات بیان کرنے میں کوئی رعایت یا لحاظ کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ جو اصول طے کیا اس پر سختی سے عمل درآمد کیا اور کسی مصلحت کی خاطر اصولوں پر سودے بازی نہ کی۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی فکر کی ایک اہم خوبی توازن و اعتدال تھا۔ شریعت اور طریقت کے درمیان حسین امتزاج پیدا کیا۔ تصوف کی لذت و چاشنی ان کے خطبات میں اہل باطن نے محسوس کی لیکن دین کے ظاہری احکامات پر عمل کی دعوت بھی پوری شدت سے جاری و ساری رکھی۔ عقائد و اعمال کے اعتبار سے اسلاف سے تعلق کو فتنوں سے بچنے کا محفوظ راستہ قرار دیا لیکن اندھی اور جامد تقلید سے بھی اجتناب کیا۔ تحریکی کاموں میں ہر دم بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ترغیب دی لیکن ساتھ ہی ساتھ ذاتی اصلاح کی اہمیت کو بھی نمایاں کیا۔ خدمتِ دین کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کو بھرپور طریقہ سے استعمال کیا لیکن دین کی روایتی اقدار کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا۔ انتہائی ٹھوس علمی کام کا خزانہ تحریر و تقاریر کی صورت میں پیش کیا لیکن عملی اعتبار سے بھی ذاتی و اجتماعی دونوں سطحوں پر سرگرم عمل نظر آئے۔ تحریک علی گڑھ کے قومی احسانات کا اعتراف بھی کیا لیکن دین کے ماورائی تصورات کے حوالے سے اُس کی عقلی موشگافیوں کے بودے پن کو بھی بے نقاب کیا۔ تحریک دیوبند کی حفاظتِ دین کے حوالے سے خدمات کی خوب تحسین کی لیکن جدید علوم سے کنارہ کشی اور قومی مسائل سے لاتعلقی کی نشاندہی بھی کی۔ انتخابی سیاست کو اقامتِ دین کی منزل کے حصول کے حوالے سے غیر مفید قرار دیا لیکن ایسے غلو کا شکار نہیں ہوئے کہ اُسے حرامِ مطلق کے درجہ پر پہنچا دیں۔

ڈاکٹر صاحب کا سب سے نمایاں کارنامہ امت کو قرآن مجید کے فہم و تدبر کی طرف راغب کرنا ہے۔ قرآن کریم کی علمی اعتبار سے عظمت کو بھی خوب واضح کیا اور عوامی دروسِ قرآن کے ذریعہ عام لوگوں کے لیے بھی فہمِ قرآن کی راہیں کھولیں۔ قرآن کریم اس انداز سے بیان کیا کہ لوگوں کو اس میں اپنے مسائل کا حل دکھائی دینے لگا۔ حالاتِ حاضرہ کا تجزیہ قرآن حکیم کی روشنی میں ایسے مدلل اسلوب میں کیا کہ آیاتِ قرآنی انہیں حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے اترتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کے مبارک سلسلے کو امت کے لیے پورے قرآن کریم کی سالانہ تذکیر کا ذریعہ بنایا۔ قرآن اکیڈمیوں کے ذریعہ ایسے مدرسین تیار کر دیے جو خدمتِ قرآن کے چراغ سے چراغ جلاتے رہیں گے۔ کتب اور CDs کے ذریعہ علومِ قرآنی کی نشر و اشاعت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب بلاشبہ دورِ حاضر میں شارحِ کلامِ اقبال تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اقبال کے کلام اور فکر کو سمجھا اور بڑے عام فہم لیکن تحریکی انداز میں لوگوں کو سمجھایا۔ اقبال جو ولولۂ تازہ دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے، ڈاکٹر صاحب اِس کا ایک بہت مؤثر ذریعہ بن گئے۔

> شرعی پردہ، رزقِ حلال، دنیا سے کم سے کم تعلق، سادگی، دین کے لیے مال و جان کی قربانی کا جو درس ڈاکٹر صاحب نے لوگوں کو دیا اس پر سب سے پہلے خود عمل پیرا ہونے کی مثال پیش کی

خاص طور پر اقبال کی ترجمانِ القرآن ہونے کی حیثیت کو نمایاں کر کے ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف اقبال کی قدر و منزلت سے قوم کو آگاہ کیا بلکہ قرآنِ کریم کی اُس عظمت کو بھی آشکارہ کیا جس تک اقبال کی رسائی ہوئی تھی۔

بلاشبہ حالاتِ حاضرہ کی نبض پر ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ تھا۔ اُن کے سیاسی تجزیے نہ صرف فکر انگیز بلکہ بڑے صائب ہوتے تھے۔ مسائل کا بھرپور تجزیہ کرنا اور اِن کا قابلِ عمل حل تجویز کرنا ڈاکٹر صاحب کی فہم و فراست کی دلیل تھا۔ اربابِ اقتدار کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے تجزیوں سے استفادہ نہ کیا اور وطنِ عزیز کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا۔ مثلاً 1971ء میں ڈاکٹر صاحب نے تجویز دی تھی کہ کہ ہم زبردستی بنگالی بھائیوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ بہتر ہے کہ ریفرنڈم کے ذریعہ ان کی رائے معلوم کر لی جائے۔ اگر وہ ساتھ رہنا نہیں چاہتے تو خوبصورتی سے علیحدہ کر دیں۔ اربابِ اختیار نے یہ مشورہ نہ مانا اور طاقت کا اندھا دھند استعمال کیا۔ نتیجتاً ملک دولخت ہوا اور شکست کی ذلت ہمارے لیے کلنک کا ٹیکہ بن گئی۔

ڈاکٹر صاحب نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے مشن کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اس میں جوش و جذبہ کی ایک نئی روح پھونک دی۔ تجدید و احیاءِ دین کی مساعی کو نہ صرف بڑی خوبصورتی سے واضح کیا بلکہ اِس حوالے سے ہونے والے کام کو برصغیر میں گزشتہ چار سو سال سے ہونے والی تجدیدی محنتوں کا بارِ امانت قرار دیا اور امت کو اس امانت کا حق ادا کرنے کے لیے بڑے جوش و ولولہ سے متوجہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی زندگی پاکیزگی کا ایک انمول نمونہ دکھائی دیتی ہے۔ وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک قرآن و سنت کی خدمت کی لائقِ تحسین داستان ہے۔ زندگی کی آخری ساعتوں تک اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تبلیغ اور اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد ایک بہت بڑی سعادت ہے جو ڈاکٹر صاحب کے حصہ میں آئی۔ ڈاکٹر صاحب بلاشبہ حافظ شیرازی کے اس شعر کا مصداق نظر آتے ہیں کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

(میں نے اپنی زندگی کا کل سرمایہ محبوب کی راہ میں نچھاور کر دیا۔ میں خوش ہوں اپنی بیتی ہوئی زندگی پر کہ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔)

ڈاکٹر صاحب کے لیے ممکن تھا کہ وہ میڈیکل کی تعلیم، ذہانت اور بھرپور قوتِ کار کی صلاحیت کی بنیاد پر خوب مال و دولت جمع کر لیتے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے ﴿ھو خیر مما یجمعون﴾ کے مصداق خدمتِ قرآنی کی دولت جمع کی جو دنیوی ساز و سامان سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطابات کے ذریعہ لاکھوں افراد تک قرآن کا پیغام پہنچا، ہزاروں افراد کی زندگیوں کی اصلاح ہوئی اور سیکڑوں مبلغین قرآن تیار ہوئے۔ صدقۂ جاریہ کی یہ کمائی بلاشبہ انتہائی قیمتی اثاثہ ہے جو ڈاکٹر صاحب اس دنیا میں کما کر چلے گئے۔ اللہ ہمیں بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے قرآن کا سچا خادم اور دین اسلام کا سچا مجاہد بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اک دیا اور نہ رہا!

سیف اللہ خالد

دعویٰ ہے کہ ترقی اور تمدن کی معراج قدموں تلے ہے۔ یہ فلک بوس پلازے، یہ پرشکوہ عمارتیں، یہ جگ مگ بازار، ان میں بھرے متمول خریدار، یہ خوش خوراکوں کا ہجوم، یہ پھیلتے ریستوران، یہ چم چماتی سڑکیں، ان پر گاڑیوں کا سیلاب، انگشت شہادت کی حرکت کے تابع دنیا کی رنگینیاں۔ یہ اس ترقی کی نشانیاں ہیں۔ اگر واقعی یہ تمدن جدید کی علامات ہیں تو وہ لاہور کہاں گیا جس کی شناخت اہل علم تھے، جس کی جان علم کی مجلسیں تھیں۔ اب کچھ بھی نہیں۔ اک سناٹا ہے جس میں زندگی کی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ جہاں کبھی عصری مجالس میں علم و فکر کی گتھیاں سلجھائی جاتی تھیں، اب وہاں سیاست کا بازار قائم ہے۔ منافقت سے عیاری تک ہر جنس وافر دستیاب ہے۔ وہ جہاں شیخ القرآن کا حلقہ درس تھا، اب طریقت کے نام پر ریاکاری و کذب بیانی کا مجمع ہے۔ وہ جو شعر و سخن کا مرکز تھا اب وہاں ٹکاٹک کی دھوم ہے......اہل علم قبروں میں جا سوئے اور مجلسیں ویران ہو گئیں......البتہ اس شہر کے ویرانے میں اک دیا جلا کرتا تھا۔ وہ گئے وقتوں کا آدمی ڈاکٹر اسرار احمد......اب وہ بھی نہیں رہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

رونا یہ نہیں کہ اہل علم اٹھتے چلے جاتے ہیں، کہ جو آیا اس نے جانا ہے۔ اپنی مہلت کے مطابق کردار ادا کر کے اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم مرنے والوں کو مار ہی ڈالتے ہیں۔ بس نام ہی رہ جاتا ہے!۔ ماضی کا چلن تو سامنے ہے۔ لیکن کیا پتہ یہ روایت بدل جائے؟ کیا معلوم ڈاکٹر اسرار کے ہاتھوں جڑ پکڑنے والی قرآن اکیڈمی قائم رہے اور ان کی مسند اسی طرح فیض بانٹتی رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے صاحبزادے کو جس طرح امارت کے لیے تیار کیا اور اپنی نگرانی میں کام کرنے کی آزادی دی، اسے دیکھتے ہوئے توقع قائم ہوتی ہے کہ روایت بدل سکتی ہے۔ ورنہ ہزاروں خواہشیں ایسی ہیں کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔ ڈاکٹر اسرار اپنی ڈھب کے واحد آدمی تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں جس فکر کو حق سمجھا، پھر اس پر اس طرح

> قرآن سے استفادہ کی تحریک جس خلوص سے ڈاکٹر صاحب نے اُٹھائی اور زمانے کے چلن کے برعکس خلافت کی بات جس انداز میں انہوں نے کی، یہ انہی کا خاصہ تھا

سے ڈٹ گئے کہ صاحب فکر کی حکمت عملی کی تبدیلی کو بھی قبول نہ کیا۔ ایک ملاقات میں انہوں نے خود کہا ”میرے پاس دو راستے تھے: ایک یہ کہ اختلاف کر کے گھر بیٹھا رہتا جیسا بہت سے لوگوں نے کیا، دوسرا یہ کہ اسی فکر کا دیا جلا کر حلقہ قائم کرتا۔ سو میں نے دوسری راہ چنی۔ اب میں کتنے لوگوں کو متاثر کر سکا، کتنے میرے ہمرکاب ہوئے مجھے

کی رضا کے لیے چنا ہے۔'' وہ کم و بیش نصف صدی تک اپنی راہ پر گامزن رہے۔ ہم انہیں کسی بھی مرحلے پر غیر جانبدار نہیں دیکھتے بلکہ وہ ہمیشہ حق کے طرفدار رہے۔ انہوں نے جہاں محسوس کیا کھل کر اختلاف کیا۔ جو شخص سید مودودیؒ سے اختلاف کرتے ہوئے نہ جھجکا وہ کسی اور کو کیا خاطر میں لاتا۔ ان کے اختلاف سے بعض جبینیں شکن آلود بھی ہوئیں۔ مگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہے۔ جب لاہور کے بعض صاحبانِ جبہ و دستار نے انہیں گوشہ عافیت کا آسان راستہ دکھایا تو ان کی استقامت دیدنی تھی کہ ''صرف لوگوں کے خوف سے قرآن اور اس سے متعلق علوم کا ذکر نہ کیا جائے؟ مجھ سے ایسی توقع نہ رکھی جائے'' جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ صرف اختلاف کرتے ہی نہ تھے بلکہ اختلاف کو برداشت بھی کرتے تھے۔ بات کہنے کے سلیقہ کے ساتھ ساتھ بات سننے کا ہنر بھی انہیں آتا تھا۔

انہوں نے اپنی زندگی میں دعوتِ دین کی خاطر بعض تجربات بھی کیے جن میں سے کچھ ناکام بھی رہے مگر ان کے پایۂ استقامت میں لغزش نہ آئی۔ نہ انہوں نے زمانے کی ہوا کے ساتھ چلنے کی کوشش کی۔ قرآن اور اقبال ان کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ ایک نشست میں اس پر گرفت کی اور کہا ''نہیں صرف قرآن، اقبال اس لیے پسند ہے کہ قرآن کی بات کرتا ہے۔'' قرآن سے استفادہ کی تحریک جس خلوص سے انہوں نے اُٹھائی اور زمانے کے چلن کے برعکس خلافت کی بات جس انداز میں انہوں نے کی، یہ انہی کا خاصہ تھا۔ ایک اہم پہلو یہ کہ انہوں نے اپنی فکر کو فروغ علم کا ذریعہ بنایا۔ جو بھی ممکن راہ سجھائی دی اسی پر قدم بڑھا دیئے۔ حالانکہ اگر چاہتے تو اسے کمائی کا ذریعہ بھی بنا سکتے تھے مگر وہ اس ڈھب کے تھے نہیں۔ یقیناً رب کریم ان سے رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائیں گے۔

مگر سوال یہ ہے کہ کوئی ہمیشہ کے لیے نہیں رہ سکتا کہ ''کل نفس ذائقة الموت'' اس سے فرار ممکن نہیں اور یہی قانون فطرت ہے۔ مگر ہم شاید بے حسی کی اس سطح پر آ چکے ہیں کہ احساس زیاں ہوتا ہی نہیں۔ کاش کوئی اُٹھے اور احساس زیاں کو جگا ڈالے ورنہ ایک کے بعد دوسرا دیا بجھتا چلا جائے گا اور اندھیروں کے راج میں ہم اپنی شناخت تک کھو دیں گے۔ ہمارا دشمن تو یہی چاہتا ہے۔ تو کیا ہم نے بھی خود کو دشمن کی خواہش کے حوالے کر دیا ہے۔ اک بار سوچنے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد: 21ویں صدی کا ستون

مبشر لقمان

یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نہیں رہے۔ میرے خیال میں ان کے انتقال سے امت مسلمہ کو جو صدمہ ہوا ہے اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے، کیونکہ وہ نہ صرف قرآن پاک کے نہایت اعلیٰ درجے کے عالم تھے بلکہ لاکھوں کروڑوں افراد کے لیے روشنی کا مینار تھے جو ان کی زبان سے ادا ہونے والے ہر لفظ کی پیروی کرتے تھے۔ مجھے اگلے روز اخبارات میں ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پُر ملال کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ مجھے اس بات نے بھی افسردہ کیا کہ ہماری ہوائی لہروں پر ثانیہ مرزا کی خبر چھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس قدر اہم خبر مس ہو گئی۔ یہ درست ہے کہ ہم سب نے ایک نہ ایک دن رخصت ہونا ہے اور حقیقت ہے کہ یہ زندگی اگلے مرحلے تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اس کے باوجود انسانی جان کے چلے جانے کے صدمہ پر غلبہ پانا کبھی آسان نہیں ہوتا۔ بالخصوص جب یہ ایک ایسے شخص کا معاملہ ہو جس کا خود آپ کی اپنی زندگی پر اتنا زیادہ اثر ہو۔ تقریباً چار عشروں تک ڈاکٹر اسرار صاحب قرآن پاک کی اپنی تفہیم کے مطابق تبلیغ کرتے رہے۔ میری پہلی بار ان سے ملاقات اس وقت ہوئی جب میں صرف 11 سال کا تھا اور میں نے ان کی اقتدا میں لارنس گارڈن لاہور (باغ جناح) کی معروف دارالسلام مسجد میں نماز جمعہ ادا کی تھی۔ مجھے ابھی تک ان کی شعلہ بیانی اور خوش کلامی اچھی طرح یاد ہے اور یقین کیجیے کہ یہ اعجاز ان کی زندگی کے آخر تک پوری طرح قائم رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہیں کوئی غیر مرئی طاقت اس راستے پر چلائے جا رہی ہے۔

پیشہ ورانہ زندگی میں میرا ان سے پہلا واسطہ اس وقت پڑا جب میں ایک نجی ٹیلی ویژن چینل کا سربراہ تھا اور میں نے ان کے قرآنی اسباق ٹیلی ویژن پر نشر کیے۔ ان کا تخصص رمضان المبارک کے ایک مہینے میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر تھی جو وہ ہر سال بلاتعطل کرتے رہے۔ کئی سال بعد میں نے وہ چینل چھوڑ دیا لیکن وہ اب بھی سال بہ سال اس پر نمودار ہوتے رہے اور حد سے زیادہ مقبول ہو گئے۔ لیکن بدقسمتی سے جو شخص حد سے زیادہ مقبول ہو جائے تو اس کے ساتھ بعض اختلافی بحثیں بھی وابستہ کر دی جاتی ہیں خواہ وہ انہیں پسند کرے یا نہ کرے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی یکے بعد دیگرے اس قسم کے بہت سے تنازعات میں ملوث کیا گیا۔ مجھے اب بھی بہت اچھی طرح یاد ہے کہ پہلی اختلافی بحث اس وقت شروع ہوئی جب انہوں نے کرکٹ کے بارے میں ایک بیان جاری کیا اور ملک کے ایک مشہور ہفتہ وار جریدے نے اپنے سرورق پر چھاپا، اسرار بمقابلہ عمران۔ یہ کھیل میں عمران خان کے عروج کا زمانہ تھا اور کھیل کے لیے اس کی پرجوش رغبت کے باعث ملک میں ہر کوئی اس سے بھی بہت محبت کرتا تھا لیکن کئی سال کے بعد جو وقوع پذیر ہوا وہ یقیناً بہت افسوسناک تھا۔ انہیں قتل کی دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں۔

میں آپ کو ایک بات مکمل یقین کے ساتھ بتا سکتا ہوں کہ ان کے عقیدے اور ایقان سے قطع نظر وہ بے حد علم والے شخص تھے۔ کوئی ان کی منطق یا دلیل سے تو عدم اتفاق کر سکتا ہے لیکن بہت سے دنیاوی علوم پر ان کی دسترس اور قرآن حکیم کے بارے میں ان کی خوش کلامی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے کئی مرتبہ ٹیلی ویژن پر ان کا انٹرویو کیا اور ہر بار میری دلیلوں کے باوجود انہوں نے اپنے تبحر علمی اور ارتکاز توجہ سے مجھے ششدر کر دیا۔ ایک اینکر کی حیثیت سے مجھے اعتراف کرنے دیجیے کہ ہم بسا اوقات مہمان پر احمقانہ قسم کے الزامات عائد کر کے اسے ہتھے سے اکھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح مہمان اپنا ضبط کھو بیٹھتا ہے اور انٹرویو لینے والے کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ یہ کام بڑے

حساب کتاب سے کیا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر اسرار احمد کو کبھی اس طرح پھنسایا نہ جاسکتا تھا کیونکہ وہ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر ان کا اعتقاد ہوتا تھا۔ وہ سفارتکاری میں کبھی بھی اچھے نہیں تھے بلکہ سیدھے سیدھے اپنے منطق کی بات شروع کر دیتے تھے جس کے لیے وہ مقدس کتاب اور سنت سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے جب میں نے ان سے مسجد الاقصیٰ کی تاریخ پر بات کی تو یقین کریں کہ وہ تاریخ کے کسی پروفیسر سے بھی زیادہ اس مضمون کے ماہر تھے۔ میں نے میڈیکل سائنس کی بات چھیڑ دی اس میں تو وہ پہلے ہی عروج پر تھے۔ میں نے بعض بہت سے تلخ حقائق بھی اکٹھے کر رکھے تھے جن کا جواب انہوں نے زور زبردستی سے نہیں دیا بلکہ دلیل سے اور دیانت داری سے دیا اور ان کے کردار کی یہ خوبی تھی کہ انہوں نے ان چند چیزوں کو تسلیم بھی کر لیا جو ہم میں سے کوئی بھی برسر عام نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ٹیلی ویژن پر کیا جائے۔

ایک پیشہ ور کی حیثیت سے میرے دل میں ان کے لیے بے پناہ احترام تھا اور ان کو نہایت بھرپور تیاری کے بغیر کوئی بھی مدعو نہیں کر سکتا تھا۔ بعینہٖ ان کی پوری زندگی ان کے عقائد کے لیے وقف تھی اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا ہم میں سے زیادہ لوگ دعویٰ نہیں کر سکتے۔ میرے بہت سے دوست ہیں جنہوں نے بعض باتوں کی وجہ سے انہیں کبھی بھی پسند نہیں کیا لیکن ہمیں لازمی طور پر یہ بات سمجھنی چاہیے کہ ان کے رتبہ کا ایک آدمی جو دل چاہے نہیں کہتا بلکہ اس کا علم اور عقیدت بولتی ہے۔ ان کے پائے کا ایک عالم تیار کرنے میں 50 برس کا عرصہ لگا لیکن آج کے دن بھی بات بہت سے علمائے دین کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی کہ وہ دین کے ساتھ دنیا کی سائنس سے بھی کماحقہ آگاہ ہوں گے۔ انہوں نے دنیاوی پریکٹس عروج کے عالم میں چھوڑی اور تبلیغ شروع کر دی جس کے لیے حیرت انگیز نظم و ضبط کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں بہت زبردست یادداشت عطا کی تھی۔ ان کی آواز بھی بہت کراری تھی اور شخصیت ایسی جسے کوئی بھی کبھی فراموش نہ کر سکے۔

گزشتہ سالوں کے دوران میری ان کے ساتھ بہت سی بحثیں ہوئیں اور ہم اپنے اختلافات پر مسلسل گھنٹوں باتیں کرتے رہتے لیکن یہ تمام بحث علم کے لیے تشنگی سے جنم لیتی۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ میں ان کے ذہن میں گدگدی کرتا تھا اور جب وہ اپنے دلائل بیان کرتے تو میں ان کے ایک ایک لفظ کو اپنے دل میں اتار لیتا کیونکہ یہ دانش کے موتی تھے جو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو انہیں صرف ٹیلی ویژن پر دیکھ کر جانتے تھے وہ ان کی اصل شخصیت کو جان ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ انہیں بہت دفعہ ''مس کوٹ'' کیا گیا اور کئی مواقع پر انہیں غلط سمجھا گیا۔ ان کی صرف ایک وابستگی تھی جو کہ خلافت تھی جبکہ میں ان کی اس وابستگی کا قائل نہیں تھا۔ انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں بھی اس پر یقین کروں لیکن میں اس قدر دنیا دار تھا کہ جمہوریت کے سوا اور کسی نظام کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے بڑے دکھ سے میری طرف دیکھا اور کہا ''تمہارے خاندان میں اتنے بڑے بڑے علمائے دین تھے، آخر تم دین کے قریب کیوں نہیں ہو؟'' مجھے پتہ تھا وہ کیا چاہتے ہیں۔ میں اس کے لیے ان کی عزت کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے کبھی بھی کسی ٹیلی ویژن اینکر کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش نہیں کی جو کہ انہیں اور زیادہ اچھا بنا کر پیش کر سکتا تھا لیکن غیر رسمی گفتگو کے دوران بھی وہ قرآن پاک کے پیغام کو پھیلانے کی بات ہی کرتے۔ یہ تھی ان کے عقیدے کی پختگی اور اپنے مقصد کے ساتھ وابستگی۔

ان کی زندگی اور جدوجہد کے چار پانچ عشروں کو الفاظ میں سمیٹنا آسان نہیں اور نہ ہی ان لوگوں کو ان کے بارے میں قائل کرنا آسان ہے جنہوں نے کبھی بھی ان سے اتفاق نہیں کیا۔ ہم سب اپنے اعتقادات کے اسیر ہیں لیکن جو میں ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں صرف ایک جملے میں کہہ سکتا ہوں وہ یہ کہ وہ 21ویں صدی کے سکالر تھے جو دانشورانہ طور پر 14 صدیوں کا خلاء پُر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے لیے، جو رسول پاکؐ کی حیات مبارکہ کو سمجھتے ہیں، اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی دوسری اس سے بہتر مثال نہیں ہے اور وہ زمینی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس قدر ممکن ہو سکے ان کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں کروڑوں لوگ ڈاکٹر اسرار احمد کی جدائی محسوس کریں گے۔ انہوں نے سب کو انسپائر کیا لیکن سب سے زیادہ ان کی جدائی ان علمائے کرام کو محسوس ہوگی جو دور جدید میں قرآن پاک کی تفہیم اور رہنمائی کے لیے ان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے اہل خانہ کو یہ المناک نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ اور توفیق دے اور اللہ تبارک و تعالیٰ امت کو ان کے بہت سے متبادل عطا کرے جو ان کے مشن کو آگے بڑھا سکیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمد - ایک چراغ اور بجھا

میں نے مدینہ منورہ کی حاضری کے دوران ان دونوں دوستوں کے لئے نہایت دردمندی سے دعائیں کیں۔ ابھی ان صدموں کو ''سہلا'' ہی رہا تھا کہ آج ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وفات ایک اور صدمے کا داغ لگا گئی۔ روشنی کا ایک اور چراغ بجھ گیا۔ ڈاکٹر صاحب سے میری شناسائی کئی دہائیوں پر محیط تھی اور میرا ان سے پہلا رابطہ مریض اور معالج کا رابطہ تھا۔ ساٹھ کی دہائی کے وسط میں، میں گورنمنٹ کالج لاہور میں طالب علم تھا اور پھر وہیں لیکچرار بن گیا۔ اس زمانے میں میرے گلے کو خراب رہنے کی عادت تھی۔ ایک روز پروفیسر مرزا منور صاحب مجھے ڈاکٹر صاحب کے کرشن نگر والے کلینک لے گئے اور پھر یہ حاضری اکثر ہونے لگی۔ پھر میری آنکھوں کے سامنے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے عربی، قرآن اور اسلام کے گہرے مطالعے کا سفر شروع کیا، ایم اے اسلامیات کیا اور پھر دن رات محنت کر کے ان علوم پر اس قدر دسترس حاصل کی کہ بقول اقبال ؎

مقام ہم عصروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں تجھ کو

کی عملی اور زندہ مثال بن گئے۔ آج ڈاکٹر صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کا کام، ان کا نام، ان کے دینی کارنامے اور ان کی تحریک ان کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھے گی کہ تیز سے تیز آندھی بھی ان چراغوں کو بجھا نہیں سکتی بلکہ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان چراغوں کی روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے جس سے زندگی کی راہیں روشن ہوتی چلی جاتی ہیں۔

موت برحق ہے۔ اس سے کسی کو مفر اور استثنیٰ حاصل نہیں لیکن مبارک ہے وہ موت جو انسان کو مار کر بھی مار نہ سکے کیونکہ عاشقان الٰہی، عاشقان رسول ﷺ، دین کے خادم اور پیامبر، انسانیت کے غم کا بوجھ اٹھانے والے اور ملک وملت کی بے پایاں خدمت کرنے والے نظروں سے اوجھل ہو کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ ان کا نام اور کام تاریخ کے صفحوں کو گرماتا اور لوگوں کے دلوں کو تڑپاتا رہتا ہے۔ دوستو! نعمت اور مبارک ہے ایسی زندگی اور مبارک ہے ایسی موت...... (بشکریہ روزنامہ ''جنگ'')

ڈاکٹر اسرار احمد — ایک چراغ اور بجھا

ڈاکٹر صفدر محمود

گھنٹی بجی، میں نے فون اٹھایا تو دوسری طرف ایک شخص کے زاروقطار رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ جنہوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں نے دو تین بار ہیلو کہا تو اس شخص نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے آنسوؤں بھری آواز میں کہا ''کیا آپ نے یہ خبر سنی۔ ڈاکٹر اسرار احمد انتقال فرما گئے۔'' اتنی سی بات کر کے وہ پھر رونے لگا اور آہ وزاریاں کرنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے ایک دم سانپ سونگھ گیا ہو۔ ایک جھٹکا لگا اور میں چند لمحوں کے لئے گم سم سا ہو گیا۔ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اس شخص کو حوصلہ دینے کے لئے عرض کیا کہ موت کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا ہے۔ ہم سب قطار میں کھڑے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔ بس یہی زندگی ہے۔ میرے نزدیک مبارک ہے وہ انسان اور وہ زندگی جو دنیا میں مختصر سے قیام کے دوران دینی، مذہبی، ملی یا قومی خدمت سرانجام دے کر تاریخ کا حصہ بن جائے۔ تاریخ کے اوراق پر انمٹ نقوش چھوڑ جائے اور اپنے پیچھے ایسا خلا چھوڑ جائے جسے برسوں تک پر نہ کیا جا سکے۔ موت کا وقت تو مقرر ہے اور اس اصول کا اطلاق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پیارے بندوں اور نبیوں پر بھی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ کے پیارے، عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول سے منور مر کر بھی نہیں مرتے، صرف دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں جبکہ ہم جیسے مٹی کے ساتھ مٹی ہو جاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے اور اپنے حبیب سے عشق کرنے والوں، دین کی خدمت کرنے والوں اور امتِ محمدی کی خدمت کرنے والوں کو یہ ایک چھوٹا سا انعام بخشتا ہے کہ وہ مر کر بھی زندہ رہتے اور ابدی حیات پاتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے میرا قلم کانپتا ہے ایک بہت بڑا قومی، دینی اور ملی اثاثہ تھے۔ عظیم اسکالر، عظیم پاکستانی، عظیم مصنف اور عظیم دوست اور رہنما تھے۔ میں نے انہیں عام طور پر ملکی حالات کے بارے میں تشویش میں مبتلا دیکھا جوان کی وطن سے محبت کا تقاضا تھا اور اسی حوالے سے استحکام پاکستان کا پروگرام ان کے مقاصد میں ایک اہم مقام رکھتا تھا۔ وہ کئی برسوں سے استحکام پاکستان کے لئے عملی جدوجہد کر رہے تھے اور اس موضوع پر سیمینار منعقد کروا رہے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کا پاکستان سے عشق اور قائداعظمؒ سے قلبی لگاؤ نہ ہی صرف ہم دونوں کے درمیان ایک قدرِ مشترک تھی بلکہ یہ حوالہ ہمارے درمیان ایک مضبوط ذہنی رشتے کی بنیاد بھی بن گیا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقاتیں زیادہ نہیں تھیں جو میری محرومی اور روایتی کاہلی کا شاخسانہ ہے لیکن ڈاکٹر صاحب جہاں مجھے استحکام پاکستان کے ضمن میں کبھی کبھار یاد فرما لیا کرتے تھے وہاں یہ کبھی نہیں ہوا کہ میں نے شرکت نہ کی ہو۔ یا یہ کہ قائداعظم کے حوالے سے میری کسی لکھاری سے بحث یا قلمی جنگ چھڑی ہو تو ڈاکٹر صاحب نے مجھے بطورِ خاص فون کر کے شاباش اور دعا نہ دی ہو۔ ان کی وفات سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ایک کرم فرما کے دستِ شفقت اور ایک مہربان کی دعا سے محروم ہو گیا ہوں۔

زندگی بڑی ظالم ہے۔ یہ پہلے دیتی اور پھر چھین لیتی ہے۔ عمر کے ایک حصے میں آپ کو مخلص دوست اور دل سے چاہنے والے مہربان ملتے چلے جاتے ہیں جو زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں اور انسان انہی کو مکمل زندگی سمجھنے لگتا ہے۔ پھر وہ وقت آتا ہے جب وہ ایک ایک کر کے ان سے محروم ہونے لگتا ہے۔ محفل کے چراغ ایک ایک کر کے بجھنے لگتے ہیں۔ اردگرد تاریکی کے سائے بڑھنے اور پھیلنے لگتے ہیں اور پھر ایک دن وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرنے لگتا ہے۔ میری زندگی کی عزیز متاع بلکہ اسے فکری محور کہنا چاہئے پروفیسر مرزا محمد منور مرحوم تھے جن کے طفیل مجھے شورش کاشمیری، پروفیسر کرامت حسین جعفری، عظیم شاعر حفیظ جالندھری، حمید جالندھری مکتبہ کارواں اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسی عظیم، منفرد، ناقابل فراموش اور زمانہ ساز شخصیات سے طویل دوستی کا اعزاز حاصل ہوا۔ ہماری اس ہفتہ وار محفل میں مجیب الرحمٰن شامی کے قہقہے اور نوکیلے فقرے، بشیر احمد ارشد مرحوم کی سنجیدگی، شیخ اشرف مرحوم کی ترکی ٹوپی اور رانا اکرام مرحوم کی بے ساختگی جن سب پر شورش کاشمیری کا صرف ایک بھرپور قہقہہ بھاری ہوتا تھا، محبت اور خلوص کے چراغ جلاتی اور موسم کے مطابق آئس کریم یا چائے کا لطف دوبالا کر دیتی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس محفل کا حصہ نہیں تھے لیکن ان سے مرزا محمد منور کے ساتھ میری ملاقاتیں رہتی تھیں۔ ایک ایک کر کے یہ چراغ بجھتے گئے اور شامی صاحب جیسے ''بقایا'' نے بہتر محفلیں سجا لیں کہ وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہے ہیں۔ یوں عمر کے آخری حصے میں ہم ہیں اور دشتِ تنہائی ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ اس عہد کی عہد ساز شخصیات سے دوستی اور یادوں سے دامن بھرا ہوا ہے جو فکر کو تقویت اور روح کو فرحت بخشتی ہیں۔ بقول شاعر:

اکثر شبِ تنہائی میں، کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں، بیتے ہوئے دن پیار کے
بنتے ہیں شمعِ زندگی اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دلِ صد چاک پر

نوجوان دوستو! زندگی پہلو بدلتی رہتی ہے۔ زندگی کا سفر رواں دواں رہتا ہے لیکن اس سفر میں اگر کچھ برس سایہ دار اور خوشبودار درختوں کی گھنی چھاؤں کے تلے گزر جائیں اور اپنے عہد کے بڑے لوگوں کی رفاقت اور محبت مل جائے تو یہی زندگی کا قیمتی ترین اثاثہ ہوتا ہے۔ مجھے دینی معاملات میں رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو اپنے عزیز دوست ڈاکٹر غلام مرتضیٰ کی طرف رجوع کرتا تھا۔ بے رحم ہاتھوں اور سنگدلوں نے انہیں گولیوں سے چھلنی کر کے مجھے ایک دوست سے محروم کر دیا۔ ان کے بعد جب ضرورت پڑتی تو ڈاکٹر اسرار صاحب کو فون کرتا اور رہنمائی چاہتا، آج میری زندگی کا وہ باب بھی بند ہو گیا ہے۔ کبھی کبھار علامہ جاوید غامدی صاحب کو زحمت دینا چاہوں تو رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ اس تھوڑے سے عرصے میں مجھے پے در پے تین صدموں نے نڈھال کر دیا ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ سب سے پہلے میرے دیرینہ دوست مظفر محمد علی گئے جو اعلیٰ پائے کے افسانہ نگار اور لکھاری تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہایت مخلص انسان تھے۔ ان کے فوراً بعد سید قاسم محمود نے داغِ مفارقت دیا جن کی محنت، لگن، مستقل جدوجہد اور علم دوستی کا میں حد درجہ مداح تھا اور ان سے فون پر رابطہ بھی رہتا تھا۔ (باقی صفحہ 27 پر)

ڈاکٹر اسرار احمد نے ذوقِ قرآن فہمی کو فروغ دیا

> وہ تمام عمر شیخ الہندؒ کے ایجنڈے پر کام کرتے رہے
> اس بڑھاپے میں نفاذِ شریعت کے لیے ان کی تڑپ اور محنت
> قابلِ رشک تھی جسے دیکھ کر جوانوں کو بھی حوصلہ ملتا تھا

ابو عمار زاہد الراشدی

صبح نمازِ فجر کے بعد مسجد امن باغبانپورہ لاہور میں بیٹھا کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف تھا کہ مولانا عبدالرؤف ملک نے فون پر یہ خبر دی کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا رات انتقال ہو گیا...... انا للہ وانا الیہ راجعون...... بے حد صدمہ ہوا کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد جس کا میں خود بھی ایک کارکن ہوں، ایک باشعور اور حوصلہ مند رہنما سے محروم ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب سے اس جدوجہد کے حوالے سے طویل رفاقت رہی ہے اور بہت سی تحریکات میں اکٹھے کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ بہرہ ور تھے، اس لیے یہ فرق کبھی رفاقت میں حائل نہیں ہوا۔

انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اسلامی جمعیت طلبہ سے کیا اور پھر جماعت اسلامی کے قافلے کا حصہ بنے، مگر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بعض افکار اور طریق کار سے اختلاف کے باعث الگ ہو گئے، جماعت اسلامی سے اپنا راستہ الگ کیا۔ نفاذِ اسلام کی جدوجہد سے دست برداری اختیار نہیں کی اور آخر وقت تک اسی میں مصروفِ عمل رہے، اس بڑھاپے میں نفاذِ شریعت کے لیے ان کی تڑپ اور محنت قابلِ رشک تھی جسے دیکھ کر جوانوں کو بھی حوصلہ ملتا تھا۔

ان کا موقف تھا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے برطانوی استعمار کے خلاف آزادیٔ وطن کی جدوجہد میں مالٹا جزیرہ میں ساڑھے تین سال کی قید و بند کے بعد وطن واپسی پر اپنی جدوجہد کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہی اس محنت کا صحیح راستہ ہے اور وہ خود کو شیخ الہندؒ کی اس تحریک کا تسلسل قرار دیتے ہوئے آخر عمر تک اس پر گامزن رہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، مگر آزادیٔ وطن کے لیے انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے ساتھ تدریسی وابستگی کی قربانی دیتے ہوئے آزادیٔ وطن کی اس تحریک کے تانے بُنے، جسے آج ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے متحدہ ہندوستان کے اندر علماء کرام اور عوام کو برطانوی استعمار کے خلاف بغاوت پر اُبھارنے کے ساتھ ساتھ اس وقت برطانیہ کی مخالف عالمی قوتوں جرمنی، جاپان اور خلافتِ عثمانیہ کے ساتھ بھی روابط استوار کیے اور آزادیٔ ہند کے لیے ان کی مدد سے مسلح جدوجہد کا پروگرام بنایا۔ وہ اسی مقصد کے لیے خلافتِ عثمانیہ کے ذمہ داروں سے گفت و شنید کی غرض سے حجازِ مقدس پہنچے، مگر اس دوران خلافتِ عثمانیہ کے خلاف شریفِ مکہ کی بغاوت اور عربوں کی خلافتِ عثمانیہ سے آزادی کی تحریک نے شیخ الہند کی ریشمی رومال کی تحریک کو بریک لگا دی۔ مولانا محمود حسنؒ کو حجازِ مقدس سے ہی گرفتار کر کے برطانوی استعمار کے حوالے کر دیا گیا۔ ان پر قاہرہ میں مقدمہ چلا اور انہیں مالٹا جزیرہ میں نظر بند کر دیا گیا جسے اس دور میں برطانوی استعمار کی گوانتانا موبے کہا جا سکتا ہے۔

مالٹا جزیرے میں ساڑھے تین سال گزارنے کے بعد واپس ہندوستان پہنچے تو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے مسلح جدوجہد کا راستہ ترک کر کے پُرامن جدوجہد کا راستہ اختیار کیا اور اپنے پیروکاروں کو تلقین کی کہ وہ اب برطانوی استعمار کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی بجائے آزادیٔ وطن کے لیے سیاسی جدوجہد کریں اور پُرامن عوامی جدوجہد کے ذریعے آزادی کی منزل کی طرف پیش رفت کریں۔ اس موقع پر شیخ الہندؒ نے جو نہ صرف اُس وقت دیوبندی فکر اور تحریک کے سب سے بڑے قائد تھے، بلکہ اب بھی انہیں دیوبندی مسلک کے تمام داخلی مکاتبِ فکر میں متفقہ قائد کی حیثیت حاصل ہے، آئندہ جدوجہد کے لیے تین نکات کا ایجنڈا پیش کیا:

☆......مسلمان باہمی اختلافات سے گریز کرتے ہوئے متحدہ کردار ادا کریں۔

☆......قرآن کریم کی تعلیمات کے فروغ اور عام مسلمان کو قرآن کریم سے شعوری طور پر وابستہ کرنے کے لیے ہر سطح پر دروس قرآن کا اہتمام کیا جائے۔

☆......مسلمان اپنے شرعی معاملات طے کرنے کے لیے امارت شرعیہ کا قیام عمل میں لائیں اور ایک باقاعدہ امیر منتخب کر کے اس کی اطاعت میں کام کریں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا مؤقف تھا کہ وہ شیخ الہندؒ کے اسی تین نکاتی پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے کام کر رہے ہیں جبکہ ان کے بقول شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور ان کے حلقہ کے لوگ اس ایجنڈے پر قائم نہیں رہ سکے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے اس مؤقف سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہ خود اسی ایجنڈے پر کام کرتے رہے اور انہوں نے اس مقصد کے لیے ملک بھر میں احباب اور رفقاء کا ایک پورا حلقہ تیار کیا جو ابتنظیم اسلامی کے نام سے ڈاکٹر صاحب کے فرزند جناب حافظ عاکف سعید کی امارت میں متحرک اور سرگرم عمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن فہمی کے ذوق کو فروغ

> ڈاکٹر صاحب نے نفاذِ اسلام کے لیے صرف مسلسل جدوجہد ہی نہیں کی بلکہ اسلامی نظام کی اصل اصطلاح خلافت کو زندہ رکھنے اور نئی نسل کو خلافت کی اصطلاح کے ساتھ مانوس کرنے کے لیے بھی اہم کردار ادا کیا

قرآن کالج کے ذریعہ ہزاروں نوجوانوں کا قرآن کریم کے ساتھ فہم وشعور کا تعلق قائم کرایا۔ وہ ایک امیر کی بیعت اور اس کی اطاعت میں کام کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور ان کا زندگی بھر اصرار رہا کہ ایک امیر اور اس کے ساتھ سمع وطاعہ کا تعلق دینی تقاضوں میں سے ہے۔

وہ نفاذِ شریعت کی ہر جدوجہد اور تحریک کا حصہ رہے اور انہوں نے اسلامی تحریکات میں ہمیشہ ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ انہوں نے نفاذِ اسلام کے لیے صرف مسلسل جدوجہد نہیں کی بلکہ اسلامی نظام کی اصل اصطلاح خلافت کو زندہ رکھنے اور نئی نسل کو خلافت کی اصطلاح کے ساتھ مانوس کرنے کے لیے بھی اہم کردار ادا کیا۔ وہ خلافت امام مہدی کے ظہور اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے حوالہ سے بعض تعبیرات میں تفرد بھی رکھتے تھے، جس سے بہت سے علماء کرام کو اتفاق نہیں تھا۔ خود راقم الحروف نے بھی ان سے متعدد ملاقاتوں میں ان کی بعض تعبیرات پر تحفظات کا اظہار کیا، لیکن ان کا خلوص اور اپنے مشن کے ساتھ ان کی بے لچک اور جذباتی وابستگی ہمیشہ قابل احترام اور قابل رشک رہی۔

لاہور میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے ذوق اور رہنمائی کے مطابق قرآن کریم کے دروس کے آغاز کا اعزاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ان کے تلامذہ کو حاصل ہے، مگر ان کے حلقہ سے باہر اس ذوق کو بڑھانے میں اگر میری اس بات کو مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے تو ڈاکٹر اسرار احمد کی جدوجہد سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ میرے بزرگ دوست تھے، تحریک نفاذِ اسلام کے فکری رہنما تھے اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ایک ایسے عقیدت مند تھے، جو آج کے دور میں بھی شیخ الہندؒ کا نام لینے اور انہیں رہنما قرار دینے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

محمد یٰسین وٹو

14 اپریل بروز بدھ لاہور کے ماڈل ٹاؤن پارک میں عجب خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ڈھلتے سورج کی تپش تو ابھی باقی تھی مگر یوں لگ رہا تھا جیسے پُرسوگ ماحول کے اثرات اُس کی کرنوں پر بھی پڑے ہیں۔ چاروں اطراف سے جوق در جوق لوگ چلے آ رہے تھے۔ سفید لباس میں ملبوس سر جھکائے دھیمی چال چلتے باریش افراد، جینز پہنے تیز تیز قدم اُٹھاتے کلین شیو نوجوان شارٹس پہنے لاابالی انداز میں بڑھتے ہوئے نوعمر لڑکے...... غرض کہ ہر طرزِ زندگی اور طبقہ فکر کا شخص نظر آ رہا تھا۔ ایک بات ان سب میں مشترک تھی، ہر ایک کی آنکھیں مغموم اور چہرے سے غم واندوہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہ سب لوگ 14 اپریل کی اس تپتی سہ پہر میں اپنے گھروں سے میلوں دور ماڈل ٹاؤن کے اس پارک میں ایک شخص کی خاطر آئے تھے۔ وہ سب لوگ اس شخص کو خیرباد کہنے آئے تھے جس نے اس شہر لاہور میں علم کی ایسی شمع جلائی جس سے ہزاروں مزید شمعیں روشن ہوئیں۔ یہ سب اس عہد کے ممتاز سکالر، عظیم دانشور اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد کے جنازے میں شرکت کرنے کے لیے آئے تھے۔ ایک سایہ دار درخت تلے پناہ لیتے ہوئے ہم نے ایک نظر جنازے کے لیے جمع ہوئے ہزاروں افراد پر ڈالی اور پھر پارک کے چاروں اطراف سے مسلسل امڈتے قافلوں پر نظر دوڑائی۔

پھر اچانک بے اختیار چند ماہ پہلے کا وہ دن یاد آیا جب ایک بزرگ صحافی دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے جنازے میں بمشکل ڈیڑھ سو لوگ تھے جبکہ اسی روز لاہور کے ایک معروف بدمعاش اور ڈیرے دار پہلوان کے جنازے میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد درجنوں کالم لکھے گئے جن میں اہل لاہور کی بے حسی پر ماتم کیا گیا۔ مگر اہل لاہور نے اپریل کی اس سہ پہر وہ پرانا قرض اُتار دیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے جنازے میں اس قدر بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی کہ انتظامیہ کے افراد بھی حیران رہ گئے۔ کہا جا رہا تھا کہ یہ لاہور کی تاریخ کے چند بڑے جنازوں میں سے ایک تھا۔ بہرحال یہ ڈاکٹر اسرار احمد کی علم دوستی، قرآن پاک سے محبت اور دین سے سچی کمٹمنٹ کا ثمر تھا کہ اس بے حسی اور خودغرضی کے دور میں گرمی کی پروا کیے بغیر ہزاروں لوگ والہانہ انداز میں ان کے سفر آخرت میں شرکت کے لیے پہنچے۔ ان میں صحافت کے مجاہد اعظم اور لیجنڈری ایڈیٹر انچیف مجید نظامی بھی شامل تھے جو اپنی ناسازیِ طبع کے باوجود شریک ہوئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی علمی عظمت کے بارے میں کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ ان کا کام اس قدر بڑا، ہمہ گیر اور غیر معمولی تھا کہ ان کے مخالفین بھی معترف رہے۔

انہوں نے جماعت اسلامی سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی فکر کا ان پر گہرا اثر ہوا۔ وہ مولانا اصلاحی کے ساتھ ہی جماعت اسلامی سے رخصت ہوئے۔ برسوں بعد میں انہوں نے اپنی جماعت تنظیم اسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ ڈاکٹر اسرار احمد خلافت کے نظام کے قائل اور داعی تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن فہمی کا رجحان پیدا کرنا ہے۔ لاہور میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کالج کی بنیاد ڈالی۔ بعدازاں اور کئی قرآن اکیڈمیاں قائم ہوئیں۔ پھر لاہور سے یہ سفر دوسرے شہروں تک پھیل گیا۔ انہوں نے طلبہ کے لیے قرآن کو سمجھنے کا آسان سلیبس ترتیب دیا۔ قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن کی مسجد میں انہوں نے نماز تراویح کے دوران دورہ ٔ قرآن کا آغاز کیا۔ ان کی امامت میں تراویح پڑھنے دور دور سے لوگ پہنچتے تھے۔ ہمیں بھی برسوں یہ سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ قرآن پاک کی ترویج واشاعت ان کی زندگی کا سب سے بڑا اہم مقصد تھا۔ زندگی کے آخری لمحے تک وہ اسی میں مصروف رہے۔ اللہ ان کی کاوش قبول فرمائے۔ ڈاکٹر صاحب تو اپنے مشن میں سرخرو ہوئے لیکن افسوس یہ ہے کہ اب دور دور تک ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آ رہا۔

ڈاکٹر اسرار احمد، ایک عالم باعمل

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زندگی کی جدوجہد یہ ثابت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص غلط رسم و رواج سے ہٹ کر قرآن و سنت کے مطابق کسی کام کو کرنے کا عزم کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے

معین کمالی

عقیدت و محبت و رواداری میں لوگ عام طور پر کسی بھی عالم کی وفات کو ''موت العالم، موت العالم'' کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ قول کسی بہت بڑے عالم یا علامہ کی وفات ہی پر صادق آتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا شمار بلاشبہ مسلم دنیا کے نہایت نامور اسکالرز میں ہوتا تھا۔ ان کے دنیا سے جانے کو فی الواقع ایک ایسے سناٹے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو موت کی طرح اس عالم فانی کے وسیع و عریض علاقے میں پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ایک عالم باعمل تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی اسلامی تعلیمات کے فروغ میں صرف زبانی طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر گزار کر دکھائی۔ ایک موقع پر انہوں نے ایک مختصر سی کتاب شائع کی جس میں انہوں نے موجودہ دور میں شادی بیاہ کی تقریبات میں ہونے والی بیہودگی اور فضول خرچی کو ہدف تنقید بناتے ہوئے بتایا کہ اسلام کی رو سے بیٹی والوں پر تو یہ بھی لازم نہیں کہ وہ مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام کریں۔ البتہ بیٹے والے ولیمے کو سنت کے طور پر اور مسنون طریقے سے منائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکورہ کتابچے میں ڈاکٹر اسرار احمد نے اظہار تشکر کے طور پر بیان کیا کہ جب انہوں نے اسلام کے سادہ طریقے کے مطابق اپنی بیٹیوں کی شادی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبے کو پذیرائی بخشتے ہوئے انہیں ایسے ہی داماد اور خاندان عطا کر دیئے۔ اس تحریر کے ذریعے ڈاکٹر اسرار احمد یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اگر کوئی شخص غلط رسم و رواج سے ہٹ کر قرآن و سنت کے مطابق کسی کام کو کرنے کا عزم کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔

13 اور 14 اپریل 2010ء کی درمیانی شب میں تقریباً تین بجے عارضہ قلب کی وجہ سے دنیائے فانی کو چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملنے والے ڈاکٹر اسرار احمد کا خلا آسانی سے پر نہ ہوسکے گا۔ قحط الرجال کے اس دور میں اس پائے کے عالم کی جدائی امت مسلمہ کے لیے کسی عظیم صدمے سے کم نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کے کم و بیش چالیس سال قرآن و سنت کی تعلیمات عام کرنے میں صرف کیے۔ ان کی تقریروں اور تحریروں میں علم دین کی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ دلائل و شواہد کی قوت بلا کی پائی جاتی تھی۔ شاندار الفاظ اور گھن گرج کے ساتھ کی جانے والی تقریریں سامعین پر پائیدار اثر نہیں چھوڑتیں۔ قلب و ذہن پر ان کا تاثر وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ کچھ دیر بعد کسی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ ''علامہ'' صاحب نے کیا فرمایا تھا۔ لیکن ڈاکٹر اسرار احمد اپنی تحریروں کی طرح تقریروں میں بھی صرف الفاظ سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ ان کے پیچھے اخلاص اور دلیل کا وزن ہوتا تھا، جس سے اہل علم ہی نہیں عام سامعین بھی عمل اور کردار کی قوت حاصل کرتے تھے۔

26 اپریل 1932ء کو حصار میں پیدا ہونے والے ڈاکٹر اسرار احمد اپنی زندگی کے اٹھتر سال پورے کر کے دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ اپنے پیچھے سو سے زائد کتابیں اور بے شمار آڈیو اور وڈیو کیسٹس کا سرمایہ چھوڑ گئے۔ ان میں سے کم از کم نو کتابوں کے انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ان کتابوں میں قرآن و سنت اور پاکستان کے قیام کا نظریہ اور متعدد علمی مباحث مذکور ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے فکر و فلسفے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے کیونکہ انہوں نے بھی بعض بزرگوں کے خیالات سے اختلاف کیا۔ اختلاف رائے کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا جائے تو علم میں اضافہ ہوتا ہے اور ڈاکٹر اسرار احمد اسی کے قائل تھے۔

قیام پاکستان سے قبل وہ تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن رہے اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے تحت نظریہ پاکستان کی خاطر کام کیا۔ پاکستان آنے کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی اختیار کر لی اور بعد میں جماعت اسلامی کے ایک اہم رکن رہے۔ 1954ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد طب کی پریکٹس شروع کر دی۔ 1965ء میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کراچی یونیورسٹی سے علوم اسلامی (اسلامک سٹڈیز) میں ایم اے کیا۔ اس دوران وہ 1957ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر چکے تھے۔ جماعت اسلامی کو قبل از وقت انتخابی میدان میں اتارنے پر ان کا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے اختلاف تھا، اسے خالص علمی اختلاف قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے بعد بھی وہ تاحیات مولانا مودودی کے نظریات سے متفق رہے اور انہیں اپنے وقت کا جید عالم سمجھتے تھے جن کی فکر میں تحریکی و انقلابی جذبہ بہ کمال درجے پر ملتا ہے۔

1971ء میں طب کے پیشے سے علیحدگی اختیار کر کے ڈاکٹر اسرار احمد نے خود کو تبلیغ دین کے لیے وقف کر دیا۔ ابتدائی طور پر انجمن خدام القرآن قائم کرنے کے بعد وہ بالآخر ''تنظیم اسلامی'' کے تحت خلافت راشدہ کی طرز پر اسلامی مملکت کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی طرح مکی دور کی تعلیم و تربیت کے بعد کہیں مدینہ منورہ کی منزل آتی ہے، لہٰذا قرآن و سنت کی تعلیم عام کیے بغیر اور اسے اپنی سیرت و کردار کا جز بنائے بغیر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں، یعنی اچھے اچھے کردار کے لوگ موجودہ سیاست کی دلدل میں پھنس کر کسی کام کے نہیں رہتے۔

مولانا مودودیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کے انقلابی نظریات کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد علامہ اقبال کے بڑے عاشق اور مداح تھے اور ان کے افکار کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ خالص دینی علم کے شعبے میں ڈاکٹر اسرار احمد شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی سے متاثر اور ان کے پیروکار تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد یہودیوں کے سخت مخالف تھے۔ وہ انہیں اسلام اور مسلمانوں کا کٹر دشمن سمجھتے تھے۔ انہوں نے وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو یہودی فتنے سے آگاہ کرنے کا فریضہ انجام دیا، جس کی وجہ سے وہ اقوام مغرب میں

معتوب بھی رہے، تاہم ڈاکٹر اسرار احمد کو دنیا بھر سے خطاب کے دعوت نامے موصول ہوتے تھے، جہاں جا کر وہ قرآن و حدیث کا درس دیتے اور بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کرتے تھے۔ 2007ء میں انہوں نے اہل وطن کو خبردار کیا کہ شمال مغرب سے امریکی و نیٹو افواج اور مشرق سے بھارت پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

2002ء میں اپنی علالت کے باعث ڈاکٹر اسرار احمد نے تنظیم اسلامی کی امارت چھوڑ دی جس کے بعد حافظ عاکف سعید تنظیم کے امیر قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ اسلام، پاکستان اور مسلمانوں کے لیے ڈاکٹر صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اہل خانہ سمیت ان کے تمام لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ فوری طور پر تو ڈاکٹر اسرار احمد کا بدل کوئی نظر نہیں آتا لیکن ذات باری تعالیٰ کی عنایتوں سے ناامید بھی نہیں ہونا چاہیے۔

(بشکریہ روزنامہ ''اُمت'' کراچی)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے سانحۂ ارتحال پر

انجینئر عبدالرزاق اویسی

اپنے رب کے ہاں سِدھارا ڈاکٹر اِسرار تُو
تیری رگ رگ میں بسی تھی سیرتِ احمد کی خُو
ظاہری امراض کا تھا تُو اگرچہ ڈاکٹر
تھی مگر اِسرارِ قرآں پر بڑی گہری نظر
جانگسل جدوجہد سے جب ہوا راضی خُدا
تب صلہ پانے کی خاطر تُو ہوا ہم سے جدا
کر دیئے اسرارِ دِیں، اُمّت پہ تُو نے آشکار
کہ خزاں دیدہ چمن میں پھر سے آجائے بہار
خُفتہ مسلم کو جگایا تُو نے دے دے کے اذاں
کہ نہ تھا تیری نظر میں دُنیوی سُود و زیاں
تھی بڑی ہر بات میں قرآن و سنّت کی جھلک
دِین کے اِحیا کی خاطر نہ لگی تیری پلک
گلشنِ اسلام کا تھا اک گُلِ صد برگ تُو
جس کی خُوشبو سے تھا مہکا قریہ قریہ، کُو بہ کُو
شاعرِ مشرق کی تجھ میں ہوگئی تھی روح حلول
تیرے دِل سے ماسوا کی چھٹ گئی تھی اس سے دُھول
کُفر کے مدِّ مقابل تو تھا تیغِ بے نیام
تیرے فکر و فعل کا جاری رہا فیضانِ عام
ہیں دُعا گو سب اویسیؔ پائے تُو اَحسن جزا
اور سبھی پسماندگاں کو صبر دے اے خُدا

قرب کا عالم کیا ہوگا؟

فرقان دانش خان

حصول قرب الٰہی کے بے شمار ذرائع ہیں۔ ان میں سب سے بڑا ذریعہ قرآن ہے جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ بروز قیامت حافظ قرآن سے کہا جائے گا ''قرآن پڑھتا جا اور بہشت کے درجوں پر چڑھتا جا، پس تیرا وہی درجہ ہے جہاں تو آخری آیت کو پہنچے'' بالکل اسی طرح دنیا میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کا آسان ذریعہ قرآن ہے۔ جو جتنا قرآن پڑھے گا اتنا ہی اللہ کے قریب ہوتا جائے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوچھا کہ ''تیرا قرب کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟'' جواب ملا ''تلاوت قرآن کے ذریعے۔'' پوچھا کہ ''سمجھ کر تلاوت کرنے سے یا بغیر سمجھے'' ارشاد ہوا ''دونوں صورتوں میں۔''

اس اعتبار سے ڈاکٹر اسرار احمد کی حیات قابل رشک ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے پوری زندگی رجوع الی القرآن کی دعوت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک ممتاز حیثیت یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی انقلابی دعوت کو عام کیا لیکن عوام الناس کو قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی طرف راغب کرنے والوں میں بھی آپ سرفہرست تھے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دور حاضر میں آج عامۃ الناس بالخصوص نوجوانوں میں قرآن کی طرف جو رجوع نظر آتا ہے، وہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کی سعی و جہد ہی کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے تو ایک دنیا کا قرآن سے ناطہ جوڑا، ان کا اللہ سے قرب کا عالم کیا ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے ''قرآن مجید کے حقوق'' نامی کتابچہ کے ذریعے مسلمانوں کو ان کا بھولا سبق یاد دلایا۔ یہ کتابچہ مختلف زبانوں میں پوری دنیا میں عام ہوا۔ اس کتابچے نے لوگوں کی زندگیوں میں جو انقلاب برپا کیا، اسے دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اخروی نجات کے لیے صرف ایک یہی کتابچہ کافی ہوسکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اقبال کا یہ شعر ان کی زندگی کا رخ قرآن کی طرف موڑنے کا باعث بنا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس تشخیص کے بعد ایک طبیب کی حیثیت سے امت کے علاج کے لیے قرآن ہی کو دوا کے طور پر تجویز کرتے رہے۔ مجیب الرحمٰن شامی نے اپنے ایک مضمون میں انہیں ''عاشق قرآن'' کا خطاب دیا۔ کچھ دانشور ڈاکٹر صاحب کو ''قرآن کا قوال'' کہا کرتے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے قرآن سے عشق کا یہ عالم تھا کہ وہ اس لقب پر برا ماننے کی بجائے فخر کیا کرتے تھے۔

قارئین توجہ فرمائیں

قارئین! بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی ناگہانی وفات کی بنا پر ندائے خلافت کا گزشتہ شمارہ شائع نہیں ہوسکا، جس کی وجہ سے آپ کو انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑی، ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔ زیر نظر شمارہ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کی شخصیت اور دینی خدمات کے حوالے سے اشاعت خصوصی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ضخامت عام شمارہ کے دوگنا سے بھی زائد ہے، لہٰذا اس کی قیمت بھی 12 روپے کی بجائے 25 روپے رکھی گئی ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

سائبان اُٹھ گیا

محمد طارق چوہدری (سابق سینیٹر)

ممتاز عالم دین، مفکر اور مصلح ڈاکٹر اسرار احمد 78 برس کی عمر میں گزشتہ منگل اور بدھ کی درمیانی شب حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا کرے۔ ان کے لواحقین، عزیز و اقربا کو صبر جمیل کے ساتھ ان کی راہ پر چلتے رہنے کی ہمت اور حوصلہ بخشے (آمین)۔ آپ 1932ء میں ہریانہ ضلع حصار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے دوران ہی مسلم لیگ کی معاون طالب علم تنظیم مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ممبر رہے، پندرہ سال کی عمر میں بیس دن تک پیدل سفر کر کے پاکستان پہنچے۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح سے محبت کرنے والے اور علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے فکر و فلسفہ کے بڑے مداح تھے۔ کلام اقبال گویا انہیں ازبر تھا۔ تحریر و تقریر میں بے ساختہ اور برمحل ان کے اشعار کا استعمال کرتے۔ شعر کی حسن و خوبی، اس میں پوشیدہ خیال اور پیغام پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ شروع جوانی سے سنجیدہ فکر کے ساتھ نظریاتی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو ہمیشہ کے لیے عظیم الشان نصب العین کے لیے وقف رکھا تھا۔ کھیل تماشے کے لیے ان کے پاس فرصت نہ تھی۔ پاکستان آتے ہی پندرہ برس کی عمر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دینی تحریک میں متاثر ہو کر اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ آپ کو اس کی قیادت کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی پاس کرنے کے بعد نئی مملکت کے بہترین میڈیکل کالج ''کنگ ایڈورڈ'' میں داخل ہوئے۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد پریکٹس شروع کی اور ساتھ ہی جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے انہیں اس زمانے کے ممتاز علمائے دین، فکر و فلسفہ کے ماہرین اور دین کو اولین ترجیح قرار دینے والے صالحین کی رفاقت میسر آئی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالقادر حسن، میاں طفیل محمد جیسے لوگوں کی رفاقت میں اشاعت اسلام اور دین کی سربلندی کے لیے کام کا آغاز کیا۔ 1957ء میں ضلع رحیم یار خان ماچھی گوٹھ کے مقام پر منعقدہ جماعت اسلامی کے اہم اجلاس میں انتخابی سیاست پر گہرے اختلافات پیدا ہو جانے سے سید مودودی کے بعد اہم ترین فکری رہنما اور قائدین جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے، جن میں سیکرٹری جنرل امین احسن اصلاحی بھی شامل تھے جو اس تحریک کی نظریاتی اساس اور تربیت ارکان کے انچارج اور حمیدالدین فراہی سے فیض کی بدولت قرآن فہمی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ الگ ہونے والے اہم ارکان میں 25 سالہ نوجوان ڈاکٹر اسرار احمد، حکیم عبدالرحیم اشرف، چاچڑاں کے مولانا جامعی، مصطفیٰ صادق، میاں عبدالحفیظ، مولانا عبدالغفار حسن بھی شامل تھے۔ سید کے گرد کیسے نابغہ روزگار جمع تھے ۔

کوئی پھول بن گیا ہے کوئی چاند کوئی تارا
جو چراغ بجھ گئے ہیں تیری انجمن میں جل کے

ان کی رہنمائی اس منظم تحریک کو دستیاب رہتی تو پاکستان اسلامی تحریکوں کا سرخیل بنتا۔ پھر بھی یہی لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح ٹوٹ کے بکھرے ہیں۔ ان میں ہر کوئی اپنی ذات میں انجمن تھا۔ ہر ایک نے حلقہ علم و دانش قائم کئے، بڑے بڑے اداروں کی بنیاد رکھی۔ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر میں صدیوں بعد ایسا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کر دیا کہ آنے والی نسلیں ان کی رہنمائی میں منزلیں مار سکتی ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ہماری پہلی ملاقات غالباً 1967ء کو رحیم یار خان میں ہوئی۔ سید مودودی سے اختلاف کرنے والے بزرگ ہمارے ماموں ڈاکٹر محمد نذیر (جو جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے سب سے کم عمر رکن اور ریاست بہاولپور کے امیر رہ چکے تھے) اور پھوپھی زاد بھائی میاں عبدالحفیظ (جو انگریزی زبان کے بڑے ماہر اور مختلف اخبارات کی ایڈیٹری کر چکے تھے) ان کی مشترکہ میزبانی میں نئی تنظیم اسلامی کی نیو اٹھانے کی نیت سے مشورہ کے لیے جمع تھے۔ یہ مشاورت کئی روز جاری رہی۔ تب راقم تعمیر ملت ہائی سکول میں نویں اور میرے خالہ زاد ہارون الرشید (جو آج بڑے کالم نویس ہیں) دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھے۔ ہارون رشید سکول میں بھی عمر کے کم مگر درجے میں زیادہ تھے۔ ہمیں ان معزز مہمانوں کی خدمت کے لیے حاضر رہنے کا حکم تھا کہ ان کی ضروریات کا خیال رکھیں اور مباحث کے وقت قریب رہ کر مستفید ہوں۔ شرکاء میں امین احسن اصلاحی صاحب بہت نمایاں تھے۔ ان کی بات کو غور سے سنا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں بھی ادب ملحوظ رہتا۔ ان کا سب ہی بہت احترام کرتے۔ ان کی گفتگو پر خاص توجہ دی جاتی۔ ان کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نمایاں تھے، جواں سال، گٹھا ہوا مضبوط جسم، گھنی سیاہ ریش، بڑی بڑی روشن اور نگراں آنکھیں پاٹ دار آواز، واضع اور دوٹوک مؤقف۔

یہ مشاورت نئی تنظیم اسلامی کی نیو اٹھانے کے ارادے سے منعقد تھی۔ جماعت اسلامی کی طرز پر نئی جماعت تو نہ بن سکی، پھر بھی ان بزرگوں نے سید مودودی کی مخالفت کو اپنا وظیفہ نہ بنایا جیسے بعض دیگر علماء کرام کا پیشہ تھا۔ یہ شرکاء سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اپنی اپنی جگہ جوش و جذبہ کے ساتھ نصب العین کے ہو لئے، جس طرح انہوں نے جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی تھی۔ کسی نے مسلم اُمہ کے لیے تدبر قرآن اور تدبر حدیث جیسے گوہر آبدار چُن دیے تو دوسرے نے قرآن اکیڈمی جیسے ادارے کو جنم دیا اور الھدیٰ جیسے پروگرام کے ذریعے دنیا

دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے، اسرائیل کی بنیادوں کو اکھاڑ دینے اور عالمی طاقتوں کے ساتھ برابری کی سطح پر تعلقات استوار کرنے کے قائل تھے

بھر میں لاکھوں انسانوں کو متاثر کیا، ہزاروں نوجوانوں کی زندگیوں کو بدل کے رکھ دیا۔ حفیظ جالندھری کہتے ہیں۔

آرزو اور آرزو کے بعد خون آرزو
ایک مصرع میں ہے بند داستان زندگی

لیکن ڈاکٹر اسرار احمد ان لوگوں میں تھے جو آرزو پالتے ہیں نہ خواہشوں کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ صلہ و ستائش سے بے نیاز اپنی زندگی کو اعلیٰ نصب العین کے ساتھ وابستہ رکھتے پھر اسے حاصل کرنے کے لیے اپنے جسم و جاں، فکر و عمل کی ساری توانائیاں لگا دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ یہ ہر صورت کامیاب ہیں۔ فاتح یا شہید دونوں صورتیں شاندار کامیابی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس زمانے میں ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کی جب پاکستان میں چند ہی لوگوں کو یہ اعزاز حاصل تھا۔ آپ اس کے ذریعے آسودہ زندگی، ثروت و شہرت سب حاصل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے دین اسلام کی اشاعت، فروغ اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ آرزوں، خواہشوں سے اوپر اٹھ کر پوری زندگی کی سب توانائیاں قوم کی اصلاح دین کی تعلیم و شعور کو عام کرنے کے لیے صرف کرنا انہی کا حصہ ہے۔ انگریزی، اردو، عربی، فارسی زبانوں پر دسترس، جدید تعلیم اور تکنیک تک رسائی سے انہیں ہر طبقے اور علاقے کے لوگوں سے مخاطب ہونے میں آسانی تھی۔ وہ دین اسلام کے مبلغ ہی نہیں، فکر و خیال کی آزادی اور ملک و قوم کی سربلندی کے لیے بھی کوشاں رہے۔ آپ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے، اسرائیل کی بنیادوں کو اکھاڑ دینے اور عالمی طاقتوں کے ساتھ برابری کی سطح پر تعلقات استوار کرنے کے قائل تھے۔

دب کے رہنا، ڈر کے رہنا ان کے نزدیک مسلمان کے شایان نہیں۔ انہوں نے زندگی بھر جن نظریات کی تبلیغ کی زندگی میں ان پر عمل کر کے دکھایا۔ وہ ہمارے درمیان تھے تو کچھ خاص نہیں محسوس ہوا جیسے کسی بھی نعمت کے میسر ہونے سے وہ ہماری عادت میں شامل رہتی ہے۔ اس کی خاص قدر رہے نہ قیمت۔ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کی خبر کے ساتھ ہی یوں محسوس ہوا جیسے روشن ہال میں اچانک چراغ بجھ جانے سے اندھیرا چھا جائے۔

اب کوئی ان سا ہمارے درمیان نہیں

☆☆☆

اعلان برائے داخلہ خصوصی سہ ماہی کورس

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام
دینی و عصری علوم کی منفرد دانش گاہ

کلیّۃ القرآن (قرآن کالج) لاہور

میں ان طلبہ کے لیے

جو مڈل کے امتحان سے فارغ ہو چکے ہیں، ایک خصوصی سہ ماہی کورس کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ یہ طلبہ **کلیۃ القرآن** میں درجہ اولیٰ اور 9th کلاس میں داخلے کے مطلوبہ معیار پر پورے اتر سکیں۔

نشستیں محدود ہیں

خصوصی کورس میں داخلہ ''پہلے آیئے، پہلے پایئے'' کی بنیاد پر ہوگا۔

نصاب

درجہ اولیٰ اور 9th کلاس کی تیاری کے لیے مندرجہ ذیل مضامین کی تدریس ہوگی:

1 تجوید القرآن 2 عربی زبان 3 ریاضی 4 اردو
5 انگلش 6 نحو 7 صرف 8 خصوصی تربیتی لیکچرز

کلاسز کا آغاز 18 جمادی الاول 1431ء بمطابق 3 مئی 2010ء سے ہوگا

ہاسٹل میں رہائش کی سہولت موجود ہے

برائے رابطہ

کلیۃ القرآن: (قرآن کالج) 191 اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔
فون: 042-35833637
ذیلی دفتر: قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-35869501

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے دروس میں علامہ اقبالؒ کا سوز دروں اور ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ابوالکلام آزادؒ کے غلبہ و اقامت دین کا تصور موجزن تھا

عبدالمجید ساجد

ڈاکٹر اسرار احمدؒ ایک شخصیت ہی نہیں پوری تحریک تھے۔ آپؒ نے اپنی ساری زندگی قرآن فہمی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ آپؒ کا زمانۂ طالب علمی میں ہی علامہ اقبالؒ کی ولولہ انگیز شاعری سے ذہنی وقلبی رشتہ استوار ہوگیا اور احیائے اسلام کے لیے عملی جدوجہد کی اُمنگ سینے میں پرورش پانے لگی، اسی لیے آپؒ اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ ہوگئے۔ آپؒ اتنے متحرک انسان تھے کہ جلد ہی جمعیت کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوگئے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ 26 اپریل 1932ء کو ضلع حصار، ہریانہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ 1945-46ء میں حصار ڈسٹرکٹ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے فعال کارکن اور جنرل سیکرٹری رہے۔ آپؒ نے 1947ء میں میٹرک کے امتحان میں ضلع حصار میں اول جبکہ پنجاب یونیورسٹی میں مسلم طلبہ میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ تقسیم ہندوستان کے بعد اکتوبر، نومبر 1947ء میں براستہ سلیمانکی قافلے کے ساتھ بیس دن پیدل سفر کر کے پاکستان آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف سی (پری میڈیکل) میں پنجاب یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ 1954ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کیا اور 1965ء میں کراچی یونیوسٹی سے ایم اے اسلامیات کا امتحان فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن میں پاس کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ 1965ء کے اواخر میں لاہور منتقل ہوئے اور کرشن نگر میں کلینک قائم کر کے پریکٹس شروع کردی۔ آپؒ کو چونکہ شروع دن سے ہی قرآنِ پاک کی تعلیم حاصل کرنے اور اسے عام کرنے کا شوق تھا لہٰذا آپؒ نے پریکٹس کے دوران ہی قرآن حکیم کی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے متعدد حلقے قائم کیے۔ آپؒ اس سلسلے میں عملی جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ اس لیے آپؒ نے جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم پر نفاذ اسلام کے لیے کام کرنا شروع کر دیا۔ 1955ء میں آپؒ جماعت اسلامی کے رکن بنے اور 1956-57ء کے دوران منٹگمری (ساہیوال) کے امیر رہے مگر اپریل 1957ء میں ایک اصولی اختلاف کے باعث جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر کے ساہیوال میں ہی حلقۂ مطالعہ قرآن و اسلامک ہاسٹل قائم کیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد جب فروری 1971ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے تو اس موقع پر آپؒ نے زندگی کا اہم ترین فیصلہ کیا اور آئندہ میڈیکل پریکٹس ترک کر کے بقیہ زندگی ہمہ وقت دین کی خدمت میں وقف کرنے کا عزم کیا۔ لہٰذا 1972ء میں تعلیمات و افکار قرآنی کے فروغ کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم کی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ آپؒ غلبہ و اقامتِ دین کے لیے عملی جدوجہد پر یقین رکھتے تھے، اس لیے 1975ء میں آپؒ نے اس عظیم مشن کے لیے ''تنظیم اسلامی'' کے نام سے ایک تحریک کی بنیاد ڈالی۔

تعلیمات قرآنی کے فروغ کے لیے آپؒ نے ''رجوع الی القرآن'' کے مشن کو تحریک کی صورت میں آگے بڑھایا اور اس خاطر آپؒ نے باقاعدہ درسِ قرآن شروع کر دیئے۔ آہستہ آہستہ آپؒ کا حلقہ وسیع ہوتا گیا اور لوگ جوق در جوق آپؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ حلقہ اتنا وسیع ہوگیا کہ آپؒ نے ماڈل ٹاؤن میں باقاعدہ قرآن اکیڈمی قائم کی اور مسجد میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کردیا جو آخردم تک چلتا رہا۔

آپؒ نے درس قرآن کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپؒ نے تین علمی وفکری رسائل وجرائد شروع کیے۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے پیچھے متعدد نادر اور فکر انگیز کتابوں کا ذخیرہ بھی چھوڑا جو دنیا میں اعلیٰ علمی مقام رکھتی ہیں۔ ان میں اہم ترین کتب درج ذیل ہیں: استحکام پاکستان، اسلام اور پاکستان علامہ اقبالؒ اور ہم، منہج انقلاب نبوی ﷺ، سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی حال اور مستقبل، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق وغیرہ ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیمات پر آپؒ نے بالخصوص متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے بعض آپؒ کے دروسِ قرآن سے تیار کی گئیں جن میں راہِ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں، مطالعہ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب، قرآن اور امن عالم، جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ، قرآن حکیم کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ، قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں، عظمتِ قرآن، قرآنِ حکیم کی قوت تسخیر، دنیا کی عظیم ترین نعمت: قرآن حکیم، انفرادی نجات اور اجتماعی فلاح کے لیے قرآن کا لائحہ عمل، تعارف قرآن مع عظمتِ قرآن اور بیان القرآن۔

آپؒ ''بیان القرآن'' کے نام سے ترجمہ قرآن اور تشریح کر رہے تھے۔ سورۃ النساء تک دورۂ ترجمۂ قرآن مکمل کر چکے تھے۔ ''بیانُ القرآن'' کا حصہ اول جو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ، مع تعارف قرآن پر مشتمل تھا، کتابی شکل میں آگیا تھا مگر داعیِ رجوع الی القرآن کی زندگی نے ساتھ نہ دیا۔

آپؒ نے حقیقت و اقسام شرک پر چھ فکر انگیز خطابات کیے جو شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقفیت اور دورِ حاضر کے شرک سے آگاہی پر مشتمل ہیں۔ آپؒ نے بتایا کہ ہمارا دین ''دین توحید'' ہے اور توحید کی ضد شرک ہے۔ شرک سب سے بڑا گناہ اور ناقابل درگزر ہے۔ قرآن کی رو سے شرک ظلم عظیم ہے۔ شرک ہر دور میں نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے اور مسلمان جہالت اور ناسمجھی کے سبب شرک میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

بلاشبہ داعیٔ الی القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قرآنی دروس اور خطابات کو بڑے پیمانے پر قبول عام حاصل ہوا۔ آپؒ نے جب شعور کی آنکھ کھولی اس وقت پوری دنیا میں ذلت ونکبت چھائی ہوئی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے اس صورت حال کا تجزیہ یوں پیش کیا ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر!

علامہ اقبالؒ کا یہ شعر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ذہن میں شعوری طور پر پیوست ہوگیا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ آپؒ نے اوائل عمر ہی میں یہ فیصلہ کیا کہ میں قرآن کی تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کروں گا، بلاشبہ آپؒ نے کسی مدرسے کا رُخ نہ کیا نہ ہی کسی دار العلوم میں داخلہ لیا بلکہ سکول اور کالج میں تعلیم پائی۔ آپؒ سائنس اور طب

کے طالب علم رہے۔ عربی زبان سے آپؒ کو بچپن ہی سے شغف تھا۔ ساتھ ساتھ آپ نے قرآن کریم اور مختلف تفاسیر کا مطالعہ شروع کیا اور آپ کے دروس کے چرچے ہونے لگے۔

آپؒ کے دروسِ قرآن میں علامہ اقبالؒ کا سوز دروں پایا جاتا تھا اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ابوالکلامؒ کا غلبہ و اقامت دین کا تصور موجزن تھا۔ راقم متعدد بار آپؒ سے ملا، انٹرویو کیے۔ آپؒ الفاظ کی ادائیگی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ موقع و محل کی مناسبت سے فارسی و اُردو کے موزوں اشعار کا استعمال خوب جانتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ کے درسِ قرآن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنا قبول عام بخشا کہ وہ عوامی درسِ قرآن بن گئے، بیس بیس ہزار لوگ ڈھائی ڈھائی گھنٹے کے دروسِ قرآن میں شریک ہوتے تھے اور ہر ایک اپنی اپنی ذہنی استعداد کے مطابق حصہ وصول کرتا تھا۔

اب جبکہ...... داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی اور صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمد اب ہم میں نہیں رہے، ہمیں یقین ہے کہ آپؒ کی فکر انگیز تصانیف اور دروسِ قرآن طمانیتِ قلب کا سامان، نا امیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید کی شمع اور رجوع الی القرآن کے کام میں مہمیز کا کام دیں گے۔ (بشکریہ روزنامہ ''جنگ'')

ایک مردِ مجاہد، جو اب ہم میں نہیں رہا

کیپٹن (ر) سید خالد سجاد

چیف انجینئر پاور واپڈا و پرنسپل سٹاف کالج اسلام آباد

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وفات کا تذکرہ کرتے وقت میرے ہاتھ ذرا کانپ سے گئے، مجھے لگا کہ یہ جھوٹ ہے، مگر کیا کروں یہ جھوٹ نہیں کڑوا سچ ہے۔ اگرچہ وہ شخص آج ہم میں نہیں ہے اور طبعی موت کے نتیجے میں ہم سے جدا ہو گیا ہے لیکن اُسے اگر ہم چاہیں بھی تو اپنے آپ سے الگ نہیں پائیں گے۔ جس طرح شہید کبھی نہیں مرتے، اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی ہمیشہ ہم میں موجود رہیں گے۔ اُن کی تقاریر، اُن کی فکر قرآنی، اُن کی کتب، اُن کا انداز بیان اور اُن کی دل موہ لینے والی گفتگو کو ہم کیونکر اپنے سے جدا کر سکیں گے۔

ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات 1992ء سے تھی، جب میں نے انہیں واپڈا اسٹاف کالج (جو اس وقت لاہور میں ہی قائم تھا) سینئر مینجمنٹ کورس کے طلبہ کو ''اسلام کے نظام حکومت'' پر لیکچر دینے کے لیے بلایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے جس انداز میں خطاب کیا، وہ لوگوں کو ان کا مداح بنانے کے لیے کافی تھا۔ اور پھر سوال و جواب کے سیشن میں تو انہوں نے سب کے دل موہ لیے۔ لیکچر کے بعد بریگیڈیئر (ر) خورشید صاحب نے جو اس وقت کالج کے پرنسپل تھے، مجھے اُنہیں اُن کو واپس چھوڑنے کے لیے کہا۔ غیر رسمی گفتگو کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بھائی کیا تم ہمیں وقت نہیں دے سکتے؟ مگر افسوس کہ میں ان کی یہ دعوت قبول نہ کر سکا، کیونکہ میں نے اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کو جب میں نے دیکھا تو محسوس ہوا کہ یہ تو ایک کانٹوں کی سیج تھی جس مجھ جیسے حقیر انسان کے لیے بسیرا کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کچھ عرصہ پہلے نیو گارڈن ٹاؤن میں اپنی انجمن کے زیر انتظام قائم کالج کے قرآن آڈیٹوریم میں ایک سیمینار کا اہتمام کیا تھا، جس میں ہر سب کو دعوت عام دی گئی۔ میں اور میری اہلیہ بھی اس پروگرام میں شرکت کے لیے گئے۔ پروگرام کے اختتام پر میں نے زید حامد، لیاقت بلوچ اور ڈاکٹر صاحب سمیت دیگر مقررین کو اپنا ایک مضمون "Importance of Kala Bagh Dame" پیش کیا، تاکہ یہ لوگ کالا باغ ڈیم کے مسئلہ کو اجاگر کر سکیں، کیونکہ ہم لوگ مغربی طاقتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر نہ صرف پانی سے ہاتھ دھونے والے ہیں بلکہ اپنی زراعت، صنعت اور معیشت سے بھی ہاتھ دھونے والے ہیں، اور ایک سازش کے تحت ہم سب اس کھیل کا حصہ بن رہے تھے۔

کوئی ایک ماہ بعد جب میں راولپنڈی اپنی بیٹی کے پاس گیا ہوا تھا اور اُن کے ساتھ اپنے بھائی کے گھر اسلام آباد جا رہا تھا، میرے موبائل فون پر ڈاکٹر صاحب نے فون کیا۔ میں اگرچہ گاڑی چلا رہا تھا، مگر اُن سے بات کر کے یہ محسوس ہوا کہ مجھ سا خوش قسمت کوئی نہ ہوگا۔ اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آیا وہ مضمون جو میں نے انہیں دیا تھا وہ اُس کا اردو ترجمہ کروا کر اپنے رسالے میں چھپوا سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ مضمون تو لکھا ہی اس لیے تھا کہ عوام الناس حقیقت جان سکیں۔ یہ تو میری عین خوش قسمتی ہوگی کہ اگر یہ مضمون آپ کے رسالے کی زینت بن جائے۔

لاہور واپس آتے ہی میں ان سے ملا۔ اور پھر ان کے صاحبزادے حافظ عاکف سعید سے جو تنظیم کے امیر ہیں، بھی ملاقات کی۔ میں اور لوگوں سے بھی ملا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہر شخص جو ڈاکٹر صاحب کی تنظیم سے وابستہ ہے، وہ ایک سے بڑھ کر ایک ہے، انکساری اور تواضع کا منبع! محسوس ہوا کہ میں نے بہت وقت گنوا دیا۔ مگر خیر اب جتنی بھی زندگی باقی ہے اگر کچھ سنور جائے تو شاید مداوا ہو سکے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے حلقۂ اثر والے ڈاکٹر صاحب کی طرح ببانگ دہل سچ بولتے ہیں اور انہیں کوئی ڈر، خوف یا لالچ حق گوئی سے نہیں روک سکتا۔

ڈاکٹر صاحب کی راہ میں بھی یقیناً کئی کوہِ گراں آئے ہوں گے مگر جس یقین، اخلاص و بے باکی سے وہ اپنے موقف کا اظہار کرتے اور پورے یقین کامل سے اس پر ڈٹ جاتے، وہ ایک ایمان افروز مشاہدہ ہوتا، جس سے واضح ہوتا کہ مومن اللہ کے بھروسے پر تمام عالم سے ٹکرا جاتا ہے۔

عالم کی موت علم کی موت ہوتی ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے علم کا وہ گراں قدر ورثہ میں چھوڑا ہے کہ ایک زمانے تک تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ بلاشبہ ڈاکٹر صاحب ایک عظیم مجاہد، باکمال مدرس اور معزز استاد تھے۔ بقول میری شریک حیات کے!

اخلاص کے پیکر تھے، کیا خوب مقرر تھے
تحریر میں یکتا تھے، اسرار مؤثر تھے
قرآن کو پھیلایا، تحریک کی صورت میں
انداز مدلل تھا، استاد معزز تھے

ہم سب منتظر ہیں کہ شاید کسی دن کا سورج نفاذ شریعت کی نوید لے کر طلوع ہو جائے اور وہ عدل و مساوات جو ہمیں اسلام مہیا کرتا ہے، بہاریں دکھانے لگے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

اربابِ سیاست اور اہلِ علم و دانش کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کی وفات پر موصول ہونے والے تعزیتی پیغامات

ڈاکٹر صاحب ملت کا بے بدل اثاثہ تھے

سید علی شاہ گیلانی، سری نگر
(چیئرمین آل پارٹیز حریت کانفرنس)

محترمی حافظ عاکف سعید!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کا سانحہ ارتحال یوں تو پوری امت کے لیے ایک عظیم صدمہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے، اس لیے کہ وہ اس ملت کا بے بدل اثاثہ تھے، لیکن ہم کشمیریوں کے لیے یہ صدمہ اس لیے زیادہ سخت اور زیادہ گہرا ہے کہ اس مقہور اور مجبور قوم کے لیے ان کا وجود بجائے خود امید و یقین کا سرمایہ اور اطمینان و سکون کا باعث تھا۔ اسی لیے پوری ریاست جموں وکشمیر میں ان کے اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کو ایک عظیم نقصان کے طور پر دیکھا گیا اور ریاست کے کونے کونے میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ گزشتہ کئی برسوں سے کہ جب وہ ''پیس ٹی وی'' کے ذریعے لاکھوں سامعین اور کروڑوں ناظرین سے مخاطب ہوتے تو ہمارے دلوں کو بے پناہ حوصلہ ملتا تھا۔ ان کا پُر یقین لہجہ مایوس دلوں کو سہارا دیتا تھا۔ بلا شبہ انہوں نے ہماری تحریک آزادی کو اک ولولۂ تازہ دیا تھا۔

اب جب کہ وہ جسمانی طور پر اس دنیا میں موجود نہیں روحانی طور پر ہمیشہ ان کے ہونے کا حیات بخش احساس ہمارے اندر زندہ رہے گا۔ ہمیں امید کرنی چاہیے کہ ان کی پر جوش تقریروں کے الفاظ، ان کی راست فکری، ان کے ایمان افروز جذبے اور ان کی باقیات الصالحات کے طور پر آپ جیسے لوگ ہمارے دلوں کو گرماتے رہیں گے۔ میں تحریک حریت کشمیر اور آل پارٹیز حریت کانفرنس کی طرف سے بالخصوص اور پوری ملت اسلامیہ کشمیر کی جانب سے بالعموم آپ تمام پسماندگان اور خود اپنے آپ سے اظہار تعزیت کرتا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ڈاکٹر صاحب کی زندگی بھر کی پاک محنتوں اور دین حق کے لیے ان کی بے لوث خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین ...... والسلام

ڈاکٹر صاحب کا سایہ اُٹھ جانا بڑی محرومی ہے، لیکن اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا تو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے

لیاقت بلوچ، نائب امیر جماعت اسلامی

محترمی و مکرمی حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

یہ جان کر افسوس ہوا کہ آپ کے والد محترم اور ممتاز عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کے والد مرحوم کی نیکیوں کو شرف قبولیت بخشے، ان کی سیئات سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

اس فانی دنیا میں رشتوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ان میں باپ کی شفقت و محبت کا کوئی نعم البدل ملنا محال ہے۔ باپ اولاد کے لیے شجر سایہ دار ہوتا ہے اور اس کے جدا ہو جانے سے اس سایہ سے محرومی ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا تو ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے آگے انسان بے بس ہے اور اہل ایمان تو ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں۔

میری طرف سے تعزیت کے جذبات تمام گھر والوں کو پہنچا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین ...... والسلام

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی خدمتِ قرآنی کو اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنائے

محمد اسلم سلیمی، نائب امیر جماعت اسلامی

مکرمی و محترمی حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کے والد محترم اور ہمارے بزرگ ساتھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی نیکیوں میں مزید اضافہ فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام سے نوازے۔ آمین

میں آپ کے اس غم میں برابر کا شریک ہوں۔ قضا و قدر کے فیصلے کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ موت کا جو وقت مقرر ہوتا ہے وہ کسی صورت میں بھی ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے صبر کے سوا چارہ نہیں۔

نیک اور شفیق والد کا محبت بھرا سایہ سر سے اُٹھ جانا بہت ہی صدمے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور دوسرے سب اہل خانہ کو یہ صدمہ صبر کے ساتھ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ عَظَّمَ اللّٰہُ اَجْرَکُمْ آمین۔ انہوں نے عمر بھر قرآن کی جو خدمت کی ہے، اللہ تعالیٰ اُسے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے! آمین!

اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر کا وافر اجر عطا فرمائے! آمین۔ براہ کرم آپ اپنے سب اہل خاندان کو میرا سلام اور پیغام تعزیت پہنچا دیں۔ ...... والسلام

ڈاکٹر صاحب نے قرآن سمجھنے سمجھانے کا ولولہ پیدا کیا

ڈاکٹر سلمان احمد، معاون مدیر ذکریٰ جدید دہلی

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے انتقال پُر ملال کی خبر ابھی ابھی ملی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

آپ کی رحلت عالم اسلام کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ محترم کے ذریعہ دعوت دین کا جو کام انجام پا رہا تھا، قرآن فہمی کا جو بیش قیمت سلسلہ جاری تھا، اور جس انداز سے آپ نے قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کا ایک ذوق و ولولہ پورے عالم کے انسانوں میں پیدا فرمایا تھا، وہ آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اللہ کرے کہ آپ کے شروع کیے گئے ان دعوتی کاموں کو جلد آپ کا کوئی نعم البدل میسر آ جائے۔ خیر کے ان کاموں کی رفتار جو آپ کے نہ رہنے سے یقیناً مدھم ضرور ہوگی، مگر امید ہے آپ کا کوئی ثانی بھی اللہ ضرور پیدا فرمائے گا جو اس مشن کو لے کر آگے بڑھے گا، اس لیے کہ ایک روز جانا تو سب کو ہی ہے، اور دعوت کا یہ کارواں دنیا کے آخری

دن تک جاری رہنا ہے۔ ایسی صورت میں ہم سب کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، کیونکہ جو شخصیت ہمارے درمیان سے رخصت ہوئی ہے وہ ایک فرد ہو کر ایک مکمل ادارہ تھے جو دعوتی سرگرمیوں میں ہمہ وقت منہمک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور اس امت کو آپؒ کا نعم البدل عطا فرمائے، لواحقین کو صبر سے نوازے اور ہم سب کا خاتمہ بھی ایمان واسلام پر فرمائے، آمین

ایڈیٹر ''ذکریٰ جدید'' محترم مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب کی جانب سے ان کی دلی تاثرات میں نے یہاں لکھنے کی کوشش کی ہے، ہم ادارہ ذکریٰ جدید میں سب ہی اس غم میں آپ کے برابر کے شریک ہیں اور محترم مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ قبول فرمائے، آمین وبہ نستعین!!... والسلام

ڈاکٹر صاحب لادینی افکار کے خلاف برہنہ تلوار تھے

عتیق الرحمٰن صدیقی، ماہر تعلیم، ہری پور

جناب محترم خالد محمود خضر صاحب! نائب مدیر ماہنامہ میثاق

سلام مسنون! آج صبح میری بچی نے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ محترم ڈاکٹر صاحب دار فانی سے دار بقا کو کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے ڈاکٹر صاحب کو ہری پور میں ایک بار دیکھا اور سنا بھی مگر ان کی تحریروں سے ایک تسلسل سے آسودۂ بصارت ہو رہا ہوں۔ ان کی ذات ایک انجمن تھی۔ اللہ نے انہیں بے شمار خوبیوں سے نواز رکھا تھا۔ قرآن حکیم پر تدبر و تفکر اور حکمت قرآن کے انمول موتیوں کی جلوہ نمائی ان کی زندگی کا مشن رہا۔ اقامت دین کو عملی صورت گری عطا کرنے کے لیے ان کی مساعی جمیلہ اپنا ایک مقام رکھتی ہیں، لادینی افکار اور دین بیزار عناصر کی تجدد پسندی کے خلاف وہ ایک برہنہ تلوار تھے۔ حق بات بے دھڑک کرتے تھے خواہ کسی کو گوارا ہو یا نہ ہو۔ ان کی تقریر کی گھن گرج اور ان کی سادہ، دلنشیں اور عام فہم تحریر متاثر کن اور دلوں میں کھب جانے والی تھی۔ ان کی جدائی ایک عظیم سانحہ ہے، جس پر جتنے دکھ اور کرب کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ محترم حافظ عاکف سعید اور دیگر لواحقین کو اللہ یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔ مرحوم کی خوبیوں سے انہیں مزین کیے رکھے۔ جناب ڈاکٹر صاحب کو رب علیم و حلیم جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ محترم حافظ عاکف سعید تک میرے جذبات پہنچا دیجئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو...... والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد نے تن تنہا ایک بڑی تحریک کی بنیاد رکھی

ڈاکٹر منظور احمد، کراچی

جناب حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم!

کل اسرار صاحب کی رحلت کی خبر ملی۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ! لیکن عزیزوں اور دوسروں کے جانے کا افسوس زیادہ ہوتا ہے۔ اسرار صاحب سے میری رفاقت نصف صدی سے زیادہ پرانی تھی اور اگرچہ ہم دونوں کے راستے تھوڑے سے مختلف ہو گئے تھے لیکن ہم دونوں کی منزل ایک ہی تھی۔ کراچی میں ایک مرتبہ خصوصی طور پر انہوں نے میری درخواست پر میرے گھر ہونے والی ایک نشست سے خطاب کیا اور بڑی خندہ پیشانی سے لوگوں کے تیکھے سوالات کے جواب دیئے۔ ہم دونوں کا آپس کا عزت و احترام کا رشتہ باقی رہا۔ ان کو خداوند تعالیٰ نے بے شمار قائدانہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے تن تنہا ایک بڑی تحریک کی بنیاد رکھی اور اُس کو پروان چڑھایا۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کے اہل وارثوں کے ہاتھ یہ مزید پھل پھول لائے گی۔ خدا اسرار صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور آپ سب لوگوں کو صبر عطا کرے۔

ابصار صاحب کو میری طرف سے تعزیت کا پیغام پہنچا دیں۔ اسرار چلے گئے، ہم سب اپنی باری کے منتظر ہیں۔ خدا ہم سب کا انجام بخیر کرے...... والسلام

ڈاکٹر صاحب کی جرأت وحق گوئی کو سلام

مصباح الرحمٰن یوسفی، دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد

محترم حافظ عاکف سعید صاحب امیر تنظیم اسلامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات کی خبر سن کر دلی صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی جدوجہد قبول فرمائے اور ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

محترم ڈاکٹر صاحب کی اسلامی خدمات اور معاشرے کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی جدوجہد کی وجہ سے مرحوم ہمیشہ ہمارے دلوں میں موجود رہیں گے۔ نیز میں اُن کی جرأت اور حق گوئی کو سلام پیش کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی جدوجہد کو جاری رکھنے اور امت مسلمہ کی بہتری اور فلاح کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ پورے خاندان اور تحریک کے لیے یہ یقیناً ایک صدمہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں اور بھی عرض کروں گا کہ: للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی و کل شیء عندہٗ بمقدار۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنّا بعدہ واغفرلنا ولہ یا ارحم الرحمین

والسلام

ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا

پروفیسر ہارون رشید چودھری، لاہور

محترم! ڈاکٹر عارف رشید، مسٹر عاکف سعید۔ السلام علیکم

آپ کے عظیم والد کے دنیا سے رحلت فرما جانے سے ملت اسلام میں ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پاکستان بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے رہنمائی کا نمونہ تھے۔ ہر مذہب کے لوگ ان کی انسان دوست مذہبی تعلیم سے مستفید ہو رہے تھے۔ اب وہ اس چیز سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس نقصان کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی اسلامی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ بھارت سمیت دنیا بھر کے دماغی ماہرین نے ان کی وفات پر اظہار افسوس کیا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین...... والسلام

بلتستان کے مدارس و مکاتب کے اساتذہ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں

صدر انجمن اہل سنت بلتستان

محترم و مکرم حضرت عاکف سعید صاحب امیر تنظیم اسلامی وجملہ رفقاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی...... حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کی اچانک وفات کی خبر دوسرے علاقوں کی طرح یہاں سکردو میں بھی میڈیا کے ذریعہ معلوم ہوئی، جس پر یہاں کے عوام اور خصوصاً علماء و طلبہ کو سخت رنج ہوا۔ جامعہ اسلامیہ کے اور انجمن اہل سنت بلتستان کے دیگر مدارس و مکاتب کے اساتذہ اس غم میں آپ کے برابر کے شریک ہیں۔ جامعہ میں حضرت کے لیے تلاوت کلام پاک کا اہتمام بھی کیا گیا اور حضرت کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے خصوصی دعائیں کی گئیں...... والسلام

ڈاکٹر صاحب قرآن کے سچے عاشق تھے

مفتی محمد ارشد، ہانگ کانگ

محترم و مکرم حافظ عاکف سعید سلمہٗ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے والد گرامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نور اللہ مرقدہٗ کی وفات پر مجھ سمیت ہانگ کانگ میں رہنے والے باشعور اور خلافتِ اسلامیہ کے متمنی مسلمانوں کے

دل مغموم ہیں۔ اللہ ڈاکٹر صاحب کو اگلی منازل میں کامرانیاں نصیب فرمائے۔

میں ذاتی حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا رہین منت ہوں کہ شعوری عمر میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کی تالیفات وتصنیفات سے استفادہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ملتان اور کوئٹہ میں 90 کی دہائی میں ڈاکٹر صاحب سے شرف ملاقات بھی رہا۔

2001ء میں ہانگ کانگ آنے کے بعد انٹرنیٹ پر ڈاکٹر صاحب کے تجزیے اور بیانات پڑھنے اور سننے کا موقع ملتا رہا ہے۔ ماشاء اللہ، ڈاکٹر صاحب اپنی ذات میں انجمن تھے۔ تقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ استقلال واستقامت کے بھی غیر متزلزل پہاڑ تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کے عاشق بھی تھے اور خادم بھی۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اپنے مؤقف پر بلاخوف وخطر ڈٹے رہنے کا کمال انہیں حاصل تھا۔ قرآن حکیم کی اس آیت کی اس دور میں عملی تصویر تھے ﴿لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ﴾ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ آپ کو والد گرامی کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت اور استعداد نصیب فرمائے اور ڈاکٹر صاحب کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس کی راحتیں نصیب فرمائے۔ ہمارے ہاں بھی بڑی مساجد میں دعاؤں کا اہتمام ہوا ہے...... والسلام

قوم ایک صاحب کردار لیڈر سے محروم ہوگئی

محمد سعد اللہ کھتران، ڈیرہ غازی خان

گرامی قدر جناب حافظ عاکف سعید صاحب

السلام علیکم، آج میں روتی آنکھوں اور غمگین دل کے ساتھ ایک عالم دین، مفسر قرآن، نامور سکالر، صاحب عزم لیڈر، ترجمان امور کلام اقبال، پیکر خلوص رہنما اور ایک صاحب کردار انسان کی وفات پر آپ سے تعزیت کرنے کے لیے اپنے لرزتے ہاتھ میں قلم پکڑتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ آخر اس عظیم انسان اور مشفق رہنما کی تعزیت کے لیے صرف آپ کیوں؟ سب سے پہلے تو مجھے اپنے آپ سے تعزیت کرنی چاہیے، اور پھر پوری قوم سے، جو ایک مدت سے کسی صاحب کردار لیڈر پیدا کرنے کے معاملے میں بانجھ ثابت ہو چکی ہے۔ ایک قومی رہنما کسی فرد کا باپ نہیں ہوتا، پوری قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ان کا خلا کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔ مگر اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لیے مدتوں انتظار کرنا پڑے گا۔ قدرت اپنے مقاصد کی تکمیل کے معاملے میں کبھی معذور ومحدود نہیں رہی۔ البتہ ہم انسان اپنی سوچ اور علائق کے اعتبار سے ضرور معذور اور محدود ہیں۔

ان حالات میں جن سے وطن عزیز گزر رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جیسے راست باز اور اعتدال پسند رہنما کا ساتھ چھوٹ جانے سے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کسی نادان بچے سے اپنے شفیق باپ کا ہاتھ چھوٹ جائے۔

اس موقع پر میں آپ کے اور پوری قوم کے ان پاکیزہ نفوس کے غم میں شریک ہوں جو اس غم کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، آپ کو اس بارِ گراں اٹھانے کی توفیق دے جو ان کی وفات کے بعد آپ کے کندھوں پر آن پڑا ہے، اور تمام اہل خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے...... والسلام

تعزیتی خطوط/ای میلز جو شائع نہیں کی جاسکیں

ڈاکٹر سید وسیم اختر (امیر جماعت اسلامی پنجاب)
پروفیسر عبدالخالق بلوچ (جیکب آباد، سندھ)
محمد یوسف عادل (کراچی)
عبدالمتین اخونزادہ (امیر جماعت اسلامی بلوچستان)
تنویر اللہ خان (الخدمت ویلفیئر سوسائٹی، کراچی)
فیروز احمد فلاحی (ملت ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، نیپال)
ڈاکٹر عمران عثمانی (شریعہ ایڈوائزر میزان بنک، کراچی)
مشرف احمد (انڈیا)
منہل عادل (ایبٹ آباد)
طارق بٹ (راولپنڈی)
شکیل احمد بٹ (العین، یو اے ای)
امبرین عمر
عباس بیگ ایڈووکیٹ (یو کے)
رضوان میاں (کینیڈا)
عالی منظور (آسٹریلیا)
ظہیر الدین فخر (دبئی، یو اے ای)
محمد لطیف (کشمیر)
نصیر احمد خان (صدر اسلامک سٹڈی سرکل جموں وکشمیر)
اصغر ثمن
پروفیسر شفیق احمد ترمذی (چارسدہ)
مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی (ملتان)
فرخ علی (اٹلی)
منظور شیخ (اسلامک ری سرچ فاؤنڈیشن ممبئی، انڈیا)
عبدالعزیز میمن (سابق ممبر قومی اسمبلی، کراچی)
عارف الاسلام، عرفان صدیقی (میزان بنک، کراچی)
عبدالرشید عراقی (سوہدرہ، گوجرانوالہ)
صوفی مسعود احمد صدیقی (امیر تنظیم مشائخ عظام پاکستان)
رحمت الٰہی، (منصورہ، لاہور)
ڈاکٹر عمر علی خان (راولپنڈی)
شجاعت احمد صدیقی (خیرپور)
محمد امین احمد بوانی (کراچی)
عبدالعزیز چشتی (شورکوٹ)
اسرار احمد (گڑھی حبیب اللہ)
زاہد علی خان (کراچی)
قاری غلام مرتضیٰ (لاہور)
ناصر بیگ غازی
ڈاکٹر ریاض الحق (امریکہ)
محمد علی شاہ صدیقی (انگلینڈ)
افضل بیگ (امریکہ)
محمد ظافر جمیل (کراچی)
شمیم صدیقی (نیویارک، امریکہ)
مسز نسیم مفتی (لندن، انگلینڈ)
رائے محمد صالح خان (کراچی)
احتشام اللہ جان (مردان)
سلامت علی (لاہور)
محمد ریاض ہارون (کراچی)
جنید انس میر (جموں وکشمیر)
محمد نذیر
شوکت حسین انصاری (ملتان)
عمیر افضال (لاہور)
حافظ اصغر علی (ٹوبہ ٹیک سنگھ)
محمد شکیل (ہارون آباد)
مفتی سیف اللہ حقانی (اکوڑہ خٹک)
مسز خالد (سیالکوٹ)
مقبول احمد سروانہ (کراچی)
ڈاکٹر اقبال منیر (ڈسکہ)
صلاح الدین محمود (کراچی)
عبدالسلام (دبئی)

☆☆☆

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اخبارات میں شائع ہونے والے تعزیتی بیانات

ممتاز مفسر قرآن، بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر صدر و وزیر اعظم کا اظہار تعزیت

لاہور (ثناء نیوز) ممتاز عالم دین، معروف اسکالر اور تنظیم اسلامی کے بانیٔ ڈاکٹر اسرار احمد لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم طویل عرصے سے کمر کے درد اور دل کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے صاحبزادے ڈاکٹر عارف رشید نے بتایا کہ ڈاکٹر اسرار احمد طویل عرصے سے کمر درد اور دل کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو ان کی کمر میں شدید درد ہوا جس پر انہیں ہسپتال لے جانے کا کہا گیا لیکن ڈاکٹر اسرار احمد نے انہیں منع کر دیا جس پر ڈاکٹر عامر عزیز نے گھر پر آ کر ان کا چیک اپ کیا۔ صبح ساڑھے تین بجے کے قریب ڈاکٹر اسرار احمد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے درس اور فہم قرآن دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ وہ زمانہ طالب علمی میں اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ ہوئے اور اس کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ بعدازاں وہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے، تاہم بعض اختلافات کے بعد وہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور تنظیم اسلامی کے نام سے اسلامی انقلابی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ ان کی نماز جنازہ بعد از نماز عصر سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن میں ادا کی گئی، جس میں اہم سیاسی و مذہبی شخصیات، تنظیم اسلامی کے کارکنوں اور ان کے ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ صدر آصف علی زرداری، وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف، مسلم لیگ ن کے قائد میاں نواز شریف، چیئرمین سینیٹ فاروق ایچ نائیک، ڈپٹی چیئرمین جان محمد جمالی، سپیکر قومی اسمبلی فہمیدہ مرزا، ڈپٹی سپیکر فیصل کریم کنڈی سمیت تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے قائدین نے ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر گہرے دکھ و رنج کا اظہار کیا ہے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب سمیت نامور شخصیات کا ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر اظہار تعزیت

لاہور (پ ر) بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر ان کے بیٹوں کے ساتھ اظہار تعزیت کے لیے قرآن اکیڈمی میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے نمایاں افراد کا تانتا بندھا رہا۔ وفات کے دوسرے روز تعزیت کے لیے آنے والے نمایاں لوگوں میں میاں محمد شہباز شریف، مولانا امیر حمزہ، کے ایم اعظم، قاضی یونس انور، حافظ عبدالرحمٰن مدنی، ارشاد احمد عارف، عطاالحق قاسمی، مصطفیٰ صادق، جمیل اختر اور مولانا عبداللطیف شامل ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر جماعت اسلامی کا تعزیتی اجلاس

راولپنڈی (ثناء نیوز) معروف و ممتاز عالم دین اور عظیم سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر جماعت اسلامی آزاد جموں و کشمیر ضلع راولپنڈی کا ایک تعزیتی اجلاس ہوا۔ اجلاس کی صدارت ضلع راولپنڈی کے امیر عطاء الرحمٰن چوہان نے کی۔ اجلاس سے خطاب کرتے انہوں نے کہا ڈاکٹر اسرار احمد ایک عظیم سکالر اور معروف و ممتاز عالم دین تھے۔ قوم ایک بہت بڑے اور عظیم عالم دین سے محروم ہو گئی ہے۔ ان کا خلاء کوئی پر نہیں کر سکتا۔ سیکرٹری ضلع غلام مجتبیٰ عباسی نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی جلائی شمع کی روشنی آج پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور ان کے تیار کردہ لاکھوں فرزندان اسلام ہر گلی کوچے میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اجلاس کے اختتام پر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے لیے مغفرت، بلندی درجات اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا کی گئی۔ (روزنامہ ''پیام مشرق'')

پروفیسر ساجد میر، مولانا معین الدین لکھوی، حافظ عبدالکریم کا ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر گہرے افسوس کا اظہار

لاہور (سٹی رپورٹر) مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر سینیٹر پروفیسر ساجد میر، سرپرست مولانا معین الدین لکھوی، ناظم اعلیٰ حافظ عبدالکریم نے مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر گہرے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اپنے ایک مشترکہ تعزیتی بیان میں انہوں نے مرحوم کی دینی، ملی اور قومی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم کا دینی اور عوامی حلقوں میں احترام ان کی قرآن سے محبت اور جذباتی لگاؤ کے باعث تھا۔ بلاشبہ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات سے ملک ایک عظیم مذہبی سکالر سے محروم ہو گیا، ابتسام الٰہی ظہیر

لاہور (پ ر) جمعیت اہلحدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ ابتسام الٰہی ظہیر، مفتی عبیداللہ، حافظ ہشام الٰہی ظہیر، اسداللہ سبحانی، اہلحدیث یوتھ فورس پاکستان کے صدر حافظ محسن جاوید، عبداللہ ولید، قاری عبدالقیوم ظہیر، میاں محمد توقیر حفیظ و دیگر نے بہت بڑی تعداد میں تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ ان کی وفات سے ملک ایک عظیم مذہبی دانشور و سکالر سے محروم ہو گیا ہے۔ علامہ ابتسام الٰہی ظہیر و دیگر رفقاء نے اپنے پیغام میں کہا کہ انہوں نے اپنی زندگی قرآن کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کے حوالے سے ان کی دینی خدمات کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ (روزنامہ ''اسلام'')

ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات امت مسلمہ کے لیے صدمہ عظیم ہے مجلس احرار اسلام

چیچہ وطنی (نامہ نگار) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ اور سیکرٹری اطلاعات قاری محمد یوسف احرار نے تنظیم اسلامی کے بانی، ممتاز مذہبی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال کو بین الاقوامی سطح پر امت مسلمہ کے لیے ایک بڑا صدمہ قرار دیتے ہوئے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی ہے۔ ایک تعزیتی بیان میں انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے تقریباً نصف صدی تک اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن و آسمانی تعلیمات کو عام کرنے اور اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرنے میں جو قیمتی اور پرامن جدوجہد کی وہ پوری امت کے لیے تاریخی سرمایہ ہے۔ مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے دیگر رہنماؤں

پروفیسر خالد شبیر احمد، مولانا محمد مغیرہ، میاں محمد اویس، حافظ عابد مسعود ڈوگر اور یاسر عبدالقیوم نے ایک مشترکہ تعزیتی بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال کو بڑا سانحہ قرار دیتے ہوئے ان کی دینی وملی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

الطاف حسین کی جانب سے ایم کیو ایم کے وفد کا ڈاکٹر اسرار احمد کے اہل خانہ سے اظہار تعزیت

لاہور (خبر نگار) متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کی جانب سے متحدہ قومی موومنٹ کے وفد نے ممتاز دینی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر ان کی رہائش گاہ پہنچ کر ان کے اہل خانہ سے اظہار تعزیت اور مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کی۔ وفد میں صوبائی تنظیمی کمیٹی کے رکن اور سابق صوبائی وزیر بلدیات سندھ محمد حسین، حق پرست اراکین قومی اسمبلی سفیان یوسف، رشید گوڈیل اور سابق صوبائی مشیر برائے انفارمیشن ٹیکنالوجی نعمان سہگل، لاہور زون کمیٹی کے انچارج رانا یونس اور زون کمیٹی کے رکن فیصل فجاج ڈار شامل تھے۔ (روزنامہ ''ایکسپریس'')

عالم اسلام جید عالم دین سے محروم ہو گیا، عمران خان

لاہور (نیوز رپورٹر) پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے نامور مذہبی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے، اسے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ تحریک انصاف کی طرف سے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عمر سرفراز چیمہ، مرکزی نائب صدر اعجاز چودھری، صدر لاہور میاں محمود الرشید و دیگر نے مرحوم کے جنازے میں شرکت کی۔ اس موقع پر انہوں نے عمران خان کی طرف سے ان کے لواحقین کے ساتھ تعزیت کی۔ دریں اثناء پاکستان تحریک انصاف کے مرکزی سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عارف علوی، صدر پنجاب احسن رشید، جنرل سیکرٹری پنجاب آصف خان، سیکرٹری اطلاعات پنجاب ڈاکٹر شاہد صدیق خان، جنرل سیکرٹری مراد راس نے بھی ایک مشترکہ تعزیتی بیان میں ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک ایک جید عالم اور مذہبی سکالر کی خدمات سے محروم ہو گیا ہے جس کے افکار ہر مسئلہ میں مشعل راہ تھے۔ انہوں نے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے لواحقین کے لیے صبر وجمیل کی دعا کی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال سے عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، مولانا حسین اعوان

لاہور (پ ر) جمعیت علماء اہل سنت پاکستان کے قائد مولانا حسین احمد اعوان، حافظ شعیب الرحمٰن، ناظم دارالعلوم حنفیہ و دیگر رہنماؤں علامہ حکیم عبدالرحمٰن جامی نقشبندی، مولانا اقبال جہلمی، شفیق قمر، علامہ ذوالفقار نقشبندی نے ایک مشترکہ تعزیتی بیان میں کہا ہے کہ ممتاز عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال سے ملک ایک نامور عالم دین اور مفکر اسلام سے محروم ہو گیا ہے۔ ان کی ملکی اور عالمی سطح پر دینی اور سیاسی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ قائد اہل سنت مولانا حسین احمد اعوان نے کہا کہ ان کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ انہوں نے اور دیگر رہنماؤں نے ان کے صاحبزادہ حافظ عاکف سعید امیر تنظیم اسلامی سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا مدتوں پُر نہ ہو سکے گا، خالق کائنات ڈاکٹر اسرار احمد کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین (روزنامہ پاکستان)

ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات سے علوم قرآن کا ایک باب بند ہو گیا: مرکزی جمعیت اہلحدیث سٹی

گوجرانوالہ (خصوصی رپورٹر) ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات سے علوم قرآنی کا ایک باب بند ہو گیا۔ ان کی وفات امت کے لیے کسی سانحے سے کم نہیں۔ علماء کا دنیا سے اُٹھتے چلے جانا قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد تعلیمات قرآنی کے فروغ میں بے مثال جدوجہد کے حامل ہیں۔ ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات سمیت ساری زندگی کی خدمات جلیلہ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان خیالات کا اظہار مرکزی جمعیت اہلحدیث سٹی گوجرانوالہ کے ایک تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے امیر شہر مولانا محمد صادق عتیق، ناظم اعلیٰ مولانا مشتاق چیمہ، حافظ عمران عریف، محمد ابرار ظہیر، مولانا الطاف الرحمان سندھو، مولانا حکیم افضل جمال، حافظ عبدالشکور شیخوپوری، حافظ امتیاز محمدی اور دیگر نے کیا۔ علمائے اہلحدیث نے ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی و سماجی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کی مغفرت اور بلندی درجات اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی۔

ڈاکٹر اسرار کی ناگہانی رحلت سے ملک عالم دین سے محروم ہو گیا

لاہور (سٹی رپورٹر) لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے سیکرٹری بابر خان مرتضیٰ، شمیم الرحمٰن ملک، چیئرمین ہیومن رائٹس کمیٹی، لسان اللہ خان، شریک چیئرمین ہیومن رائٹس کمیٹی اور دیگر وکلاء نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ ممتاز عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد کی اس دار فانی سے ناگہانی رحلت سے پاکستان ایک انتہائی با اصول، شریف النفس اور پیار کرنے والے عالم دین سے محروم ہو گیا ہے جس کی کمی بمشکل پوری ہو سکے گی۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم انتہائی نفیس، پاکباز، سچے اور کھرے انسان تھے۔ انہوں نے کہا کہ مرحوم عظیم دانشور اور ممتاز علمی شخصیت تھے۔ دنیا ہمیشہ ان لوگوں کو یاد رکھتی ہے جو محبتیں بانٹتے ہیں اور نفرت اور نخوت کو اپنے نزدیک نہیں بھٹکنے دیتے۔ وہ انتہائی عاجز اور صحیح معنوں میں انسان دوست تھے۔ انہوں نے مرحوم ڈاکٹر اسرار احمد کی روح کے ایصال ثواب کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے ورثاء کو صبر وجمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کی خدمات سے استفادہ حاصل کرنے کی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ (روزنامہ ''بیتاب'')

ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات عالم اسلام کا عظیم نقصان ہے، عرفان قیصر شیخ

لاہور (کامرس رپورٹر) پیاف کے چیئرمین عرفان قیصر شیخ وائس چیئرمین اقبال بیگ چغتائی، شاہ زیب اکرم، لاہور چیمبر کے سابق صدور میاں انجم نثار، میاں شفقت علی، محمد علی میاں، ابوذر شاہ، طاہر جاوید ملک، شیخ محمد ارشد اور لاہور ٹاؤن شپ انڈسٹری ایسوسی ایشن کے چیئرمین چودھری ظہیر بھٹہ نے ممتاز عالم دین اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے اسے عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ انہوں نے مرحوم کے لیے جنت الفردوس میں جگہ اور لواحقین کے لیے صبر کی دعا کی۔

عمر عبداللہ کا ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر اظہار تعزیت

جموں (آن لائن) مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ نے ممتاز عالم دین، سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا ہے۔ اپنے تعزیتی پیغام میں عمر عبداللہ نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال سے سکالرز کی دنیا میں ایک خلاء پیدا ہو گیا۔ مرحوم

نے اسلام کی حقیقی روح اور بھائی چارہ وامن کے درس کو اجاگر کرنے کے لیے عظیم خدمات سرانجام دی ہیں۔(روزنامہ ''طاقت'')

ورلڈ پاسبان ختم نبوت کا ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر اظہارِ تعزیت

لاہور(پ ر) ورلڈ پاسبان ختم نبوت کے رہنماؤں مولانا انعام الحق، علامہ محمد ممتاز اعوان، قاری الطاف الرحمٰن گوندل، مولانا محمد حنیف ربانی، مفتی سید عاشق حسین، حافظ شعیب الرحمٰن، مولانا محمد شریف علوی اور قاری شہریار احمد نے ممتاز اسلامی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کے انتقال پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد ملک وقوم کا قیمتی اثاثہ تھے،

مسعود احمد صدیقی

لاہور (نیوز رپورٹر) تنظیم مشائخ عظام پاکستان کے امیر اور لاثانی ویلفیئر فاؤنڈیشن کے چیئرمین صوفی مسعود احمد صدیقی نے ممتاز عالم دین اور تنظیم اسلامی کے بانی امیر ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد ملک وقوم کا قیمتی اثاثہ تھے۔ ان کی اشاعت اسلام اور ملکی استحکام کے لیے خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے مرکزی سیکرٹریٹ پر عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات پر تعزیتی اجلاس کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات سے امت مسلمہ ایک عظیم مذہبی سکالر سے محروم ہوگئی ہے۔

سینٹ میں ڈاکٹر اسرار احمد کے لیے دعائے مغفرت

اسلام آباد(ثناء نیوز) سینٹ میں معروف اسلامی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد کے لیے دعائے مغفرت کروائی گئی۔ جماعت اسلامی کے پروفیسر خورشید احمد نے نکتہ اعتراض پر کہا کہ عالم اسلام کے معروف سکالر اور مبلغ ڈاکٹر اسرار احمد کا انتقال ہوا ہے۔ سینٹ میں ان کے لیے دعائے مغفرت کرائی جائے۔ اس پر سینیٹر عبدالغفور حیدری نے ان کے لیے دُعا کرائی۔

متوجہ ہوں

ان شاءاللہ ''3/B پروفیسرز ہاؤسنگ سوسائٹی، شکار پور روڈ، سکھر'' میں
16/مئی 2010ء، بروز اتوار نمازعصر تا 22/مئی بروز ہفتہ نماز ظہر

مبتدی تربیتی کورس

اور 21/مئی بروز جمعہ نماز عصر تا 23/مئی بروز اتوار نماز ظہر

امراء و نقباء تربیتی ومشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے، زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں۔
موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0300-3119893

المعلن

مرکزی شعبہ تربیت: (042)36316638-36366638
0333-4311226

Those who fall for a good cause, in fact do not fall

My dear Dr. Absar Ahmad

I am mortally guided to hear about the sad demise of Dr. Israr Ahmad --- a great scholar of Islam. The deceased rendered invaluable services for the cause of Islam.

There is a saying that those who fall for a good cause, in fact do not fall. They become a part of time. They physically depart, but spiritually are alive forever.

May Allah shower his choicest blessings on the departed soul and grant patience to the bereaved family to bear the loss in a spirit of resignation. Amen!

I share your grief over the departure of Dr. Israr Ahmad physically, he is to live up to eternity, and that is a rich measure of recompense. Kindly convey my sentiments to his sons.

With regards

Sincerely yours
Prof. Manzoor Mirza
(Rtd.) Additional Education Secretary
Government of Punjab

فہمِ قرآں کی روشنی تھا وہ

قاری محمد مسلم غازی

چل بسا سب کو چھوڑ کر تنہا
قوم کا وہ مفکرِ اعلیٰ!
فکرِ قرآں کا وہ خطیبِ عظیم
تھا وہ دینی علوم میں یکتا
اس کے طرزِ کلام کے تھے اسیر
قوم کے سارے ادنیٰ و اعلیٰ
صاحبِ علم و صاحبِ کردار
تھا مرقع وہ علم و دانش کا
اس سے خائف تھے منکرین حدیث
کوئی اس کا نہیں ہے ہم پلہ
فہم قرآں کی روشنی تھا وہ
ہر طرف آج ہے اندھیرا سا
کل جو رونق تھا بزمِ ہستی کی
آج وہ باغِ خلد میں پہنچا!
قبر پر اس کی رحمتیں برسیں
مغفرت کردے اس کی اے مولا
اس کی رحلت پہ آج اے غازی
غم زدہ ہیں تمام اہلِ وفا!

Excerpts from some selected letters/emails

- **Dr. Zakir Abdul Kareem Naik**
  IRF, Mumbai (India)

One of the greatest scholars of Islam is physically no more with us in this world, but his eloquent and deeply impacted ideas, talks, writings and unmitigated work for Islam will always live on, forever with us, guiding, motivating and inspiring us to carry on his great work. His straight forward and yet articulate public talks and writings for a proper Islamic Renaissance have been a class apart, full of introspection and wisdom with deep insight. He was a rare scholar indeed!

- **Syed Ahmad Mahmood**
  President, PML (F), Lahore

I am immensely grieved on the sad demise of a world-renowned religious scholar. No doubt Pakistan has been deprived of a great man. May Allah rest the departed soul in eternal peace!

- **Syed Shahab-ud-Din**
  All India Muslim Majlis-e-Mushawarat, New Delhi

The demise of the renowned Islamic ideologue and Quranic scholar Dr. Israr Ahmad is a great loss for the Muslim world and, particularly for the Muslims of the sub-continent. Through in-depth studies of the Holy Quran, he became one of its great exponents and interpreters of our time in the modern context. Dr. Israr wanted to see Pakistan develop into a Islamic welfare state.
Dr. Israr shall be long remembered for his interpretation of the true spirit of Islam and for his unique style of communication with the educated Muslims.

- **Wasim Sajjad**
  Leader of the Opposition, Senate of Pakistan

I was deeply grieved to learn of the sad demise… It is a very painful and sad moment…

- **Syed Sarim Burney**
  Ansar Burney Trust, Karachi

Please accept our heartfelt condolence on the sad demise of our beloved Dr. Israr Ahmad. May Allah grant eternal peace to the departed soul. Ameen!

- **Rana Muhammad Iqbal Khan**
  Speaker, Provincial Assembly Punjab

I am deeply grieved on the sad demise of Dr. Israr Ahmad. He was a renowned scholar of the Islamic world. He was a great researcher and author of many religious books. He played an important role in promotion of the Islamic teachings. His services in this regard will be remembered forever!

- **M. B. Arif**
  UK

When I heard the news that Dr. Sahib has passed away, I was shocked and in great sorrow. I could not belief that Dr. Sahib is no longer in this world. I have been very much his fan the way he used to preach message of Islam. May Allah bless him and reward him greatest place in Jannah. Ameen!

- **Malik Qadir Bakhsh**
  Ontario, Canada

It was really a bad news that Dr. Israr Ahmad has passed away. He was a great scholar parallel to none. He was our soul and heart. He was one whose *qaumi* and *mazhabi* services are great. We can only offer dua for him!

- **Jawwad Mohi-ud-Din**
  Toronto Chapter, IONA

Our greatest sympathy for the loss of former Ameer Tanzeem-e-Islami. We have lost our mentor. Dr. Sahib's spiritual, intellectual teachings and his work will remain in our hearts and minds forever. May Allah grant him a high place in Jannat-ul-Firdous.

- **Muneer Ahmad Khaleeli**

Man has to approach his end but lucky are those who made a wise use of the respite given by their Lord and done their utmost what was required of them by Allah. Since I got introduced with Dr. Israr Ahmad, I found him serving the cause of Islam. His efforts for *Raju ilal Quran* had their fruits. He did a lot in service of *Deen*. His daroos-e-Quran had impact on thousands of people. May Allah bless his soul!

- **Mustafa Elturk**
  Ameer, IONA

Dr. Israr touched many hearts and influenced thousands of lives. He will always be remembered and talked about. He may be permanently speechless but his voice will continue to ring loud for centuries to come through his countless audio/video lectures. He left us a wealth of knowledge and it is our responsibility to convey it to others. Dr. Israr Ahmad taught us how to be resolute, dedicated and committed to the cause of Islam. The struggle must go on!

VOL : 19 Regd. C.P.L NO. 114 No. 17

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

ہدیۂ تشکر

ہمارے پیارے والدِ محترم، عظیم داعیٔ قرآن اور خادمِ دین

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

14 اپریل 2010ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اس موقع پر جب ہمارے دل غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے، والدِ محترم کے ہزاروں عقیدت مندوں کے تعزیتی پیغامات ہمارے لیے حوصلے اور دلاسے کا باعث بنے۔ ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم سب پیغامات کا جواب فرداً فرداً دے سکیں۔ ہم ان سب حضرات کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور اُن کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر سے نوازے۔ اسی طرح ہم ان ہزاروں افراد کے بھی تہہ دل سے شکر گزار ہیں جو شدید گرمی کے موسم میں والدِ محترم سے محبت اور عقیدت کے اظہار کے لئے ان کے جنازے میں شرکت اور ان کے لئے دعائے خیر کی خاطر دور ونزدیک سے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اجرِ عظیم سے نوازے۔

مزید برآں ہم ایک وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ جنازے کے موقع پر ہماری طرف سے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ نمازِ جنازہ کے بعد میت کا دیدارِ عام ہوگا، لیکن نمازِ جنازہ کے بعد عوام کا بے قابو ہجوم اتنا بڑھ گیا تھا کہ یہ ممکن نہ رہا جس پر ہم والدِ محترم کے تمام عقیدت مندوں سے معذرت خواہ ہیں۔ ان سب حضرات سے درخواست ہے کہ اُن کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے بھی دعا کرتے رہیں اور ہمارے لئے بھی دعا کریں کہ ہم استقامت کے ساتھ ان کے اختیار کردہ عظیم مشن کو آگے بڑھا سکیں۔

منجانب :

پسران، دختران ودیگر پسماندگان

[illegible]

قوم کی قوم ہی آسودۂ غفلت ہے ابھی
کیا کسی اور تباہی کی ضرورت ہے ابھی
سنگ و آہن کے بھی سینوں میں شرر جاگ اٹھے
چشمِ انساں ہے کہ محرومِ بصیرت ہے ابھی
قصر و ایواں کی بہاروں کا وہی عالم ہے
جھونپڑوں کی وہی اجڑی ہوئی حالت ہے ابھی
خواہ دفتر کے ہوں ایواں کہ تصوف گاہیں
وہی حلوے، وہی نذرے، وہی رشوت ہے ابھی
یہ بھی اک مصلحتِ وقت کا ہے لطف و کرم
شیخ کے سر پہ جو دستارِ فضیلت ہے ابھی
وہی شاہانہ تجمل، وہی محلوں کا شکوہ
وہی جلوت، وہی خلوت، وہی نخوت ہے ابھی
لب پہ وہ مہرِ خموشی کہ الٰہی توبہ!
دل کا یہ حال کہ لبریزِ شکایت ہے ابھی
وہی قانونِ فرنگی، وہی دستورِ عمل
وہی خود ساختہ آئینِ سیاست ہے ابھی
ہم نے مانا کہ ہیں آزاد زمینوں کے حدود
ذہن و دل پہ تو غیروں کی حکومت ہے ابھی
آنکھ پھر منتظرِ صبحِ قیادت ہے ابھی
ایک فاروقؓ کی دنیا کو ضرورت ہے ابھی

[illegible]